لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَرَفِیْقِیْ فِی الْجَنَّۃِ عُثْمَان

ہر نبی کے لئے رفیق ہے اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہے

# باپ کے خطوط بیٹے کے نام

جس میں

## سیرتِ سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

بہ طرزِ خطوط پیش کی گئی ہے

از


سیّد خواجہ معین الدّین ایم۔اے۔بی۔ایڈ

نیشنل ایوارڈ یافتہ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر

"لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيقٌ وَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ عُثْمَانُ"

ہر پیغمبر کے لئے رفیق ہے اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہے۔

(ارشاد نبویؐ)

# باپ کے خطوط بیٹے کے نام

جن میں

## سیرتِ حضرت عثمان غنیؓ خلیفۂ سوّم

پیش کی گئی ہے


مُصنّفہ

**سیّد خواجہ مُعین الدّین** ایم۔اے، بی ایڈ

تمغہ یاب سابق حکومتِ حیدرآباد و نیشنل اوارڈ یافتہ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر

پر لگ جائے۔

"ہر زندہ قوم کی ایک تہذیبی شناخت اور مذہبی نشانی ہوتی ہے اس لئے قوم کو چاہیئے کہ اپنے اسلاف کی روایات، آثار اور نشانیوں کو اپنے آپ سے جوڑے رکھے اور اپنی ایک متفرد شناخت برقرار رکھے۔ اس لئے بزرگوں کی سوانح اور تذکروں کو سرے سے بھول جانا انتہائی بدبختانہ حرکت ہے"

بحالتِ موجودہ ہمیں ایک طرف نئی پود کی تباہی کا ڈر ہے تو دوسری طرف ہمارا مذہبی اور ثقافتی ورثہ تلف ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔ ان دونوں کی حفاظت کے ساماں کرنا بزرگوں کا فرضِ عین ہے۔ ہمارے نوجوان اگر ایسے تذکرے سُن کر اُن پر عمل کریں اور ایک نئے انداز سے اپنی زندگی کو سنواریں تو آنے والی نسل کے لئے جس کا مستقبل مزید تاریک نظر آرہا ہے ایک نمونہ بن سکتے ہیں۔ اس طرح ایک انقلاب لایا جاسکتا ہے جس کی شدید ضرورت ہے۔ یہی بات ذہن میں رکھ کر میں نے "اچھے ہیرو" پیش کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ خلفائے راشدین سے بڑھ کر کس کے اخلاق و کردار اچھے ہو سکتے ہیں اور اُن سے ہٹ کر بہتر ہیرو کون بن سکتے ہیں۔

۴۔ اگر رائے میں اختلاف ہو تو کثرت رائے پر عمل کیا جائے۔

۵۔ اگر رائے میں مساوات ہو تو عبدالرحمٰن بن عمرؓ کو حکم بنایا جائے۔

۶۔ عبدالرحمٰن بن عمرؓ اس فریق کی رائے سے اتفاق کریں۔ جس میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں۔

۷۔ ان تین دنوں میں صہیبؓ نمازوں کی امامت کریں۔

۸۔ ان تین دنوں میں اگر طلحہؓ آجائیں (جو شاید مدینے سے باہر تھے) تو انھیں بھی شریکِ مشاورت رکھا جائے لیکن اُن کے انتظار میں انتخاب کی کارروائی روکی نہ رکھی جائے۔

حضرت عمرؓ کے دردمند دل کو داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ آخری وقت تک اُنھیں ملت ہی کی فکر تھی اور ان کی ذہانت، فراست اور دوربینی کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تھوڑی دیر میں رخ پرواز ہونے کو ہے، خلیفہ کے انتخاب کے لیے کیسے اچھے اصول بنائے اور طریقہ کار کی نشاندہی کی۔ آخری وقت نہ بال بچوں کی فکر اور نہ گھر دار کی۔ اگر کوئی فکر تھی تو بس دین کے بقا کی، ملت کی بھلائی کی اور شخصی ذمہ داری کی۔ اسلام میں حضرت عمرؓ کا وہی مقام ہے جو

میں ریڈھ کی ہڈی کا ہوتا ہے۔ موت وحیات کی کشمکش کی آخری گھڑی میں بھی دین و ملّت ہی کی فکر تھی۔ ہم جیسے کوئی ہوتے تو صاف کہدیتے

ہم تو چلے ہیں چھوڑ کے دلّی کو اے امیر
اپنی بلا سے یُوم لیے یا ہما لیے

الغرض ابو طلحہ انصاریؓ اور مقداد بن الاسودؓ نے ان چھ حضرات کو ایک مکان میں جمع کیا اور انھیں دوسروں سے ملنے نہ دیا۔ اِس اثنا میں عمرو بن العاصؓ اور مغیرہ بن سعیدؓ آکر مکان کے دروازے پر بیٹھ گئے تو انھیں وہاں سے اٹھا دیا گیا۔ کیونکہ یہ بات ہدایت اور مصلحت کے خلاف تھی۔ اِنتخاب کے لئے گفتگو شروع ہوئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا "اِن چھ حضرات میں سے کوئی اپنا نام واپس لینا چاہیں تو انھیں اختیار ہے تاکہ اُنھیں کو حکم بنایا جا سکے۔ سب خاموش تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آگے بڑھے اور فرمایا "میں خلافت کی اُمیدواری سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہوں اور اپنا نام واپس لیتا ہوں۔ اِنشاء اللہ انتخاب کی کارروائی میں چلاؤں گا۔" اس پر پانچوں نے "ہاں" کہی مگر حضرت علیؓ چپ رہے تو انھوں نے علیؓ سے پوچھا "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

تو علیؓ نے کہا "وعدہ کرو کہ حق کرو گے۔ اپنے نفس کی پیروی نہ کرو گے، کسی رشتہ دار کا پاس و لحاظ نہ کرو گے، کسی کی تعریف نصیحت اور ملامت کا خیال نہ کرو گے" انھوں نے ساری شرطیں مان لیں اور کہا "تم بھی وعدہ کرو کہ ہماری رائے سے اختلاف نہ کرو گے اور اختلاف کرنے والوں کا ساتھ بھی نہ دو گے۔ ہم جسے منتخب کریں گے اُسے پسند کرو گے"۔ غرض آپس میں وعدہ قول قرار اور پابندیاں بھی کر لی گئیں۔

تب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے علٰحدہ علٰحدہ تنہائی میں دریافت فرمایا "تم ہر لحاظ سے خلافت کے لئے موزوں ہو مگر یہ بتاؤ کہ تم اپنے بعد کس کو خلافت کے لئے مناسب سمجھتے ہو" حضرت عثمانؓ سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کا نام بتایا۔ یہ مجلس برخاست ہو گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ دوسرے صحابہؓ سے مل کر اُن کی علٰحدہ علٰحدہ رائے معلوم کرتے رہے۔ یہ سلسلہ چوتھے دن کی صبح تک جاری رہا۔ فجر کی نماز کے بعد مسجد میں سبھی جمع ہوئے۔ تھوڑی دیر مزید پوچھ پاچھ کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ اور

حضرت علیؓ کو علٰحدہ علٰحدہ مخاطب کر کے فرمایا "تمہیں اس شرط پر خلیفہ بنایا جائے گا کہ تم کتاب، سُنّت اور شیخین کی پیروی کرو گے" تو انھوں نے جواب دیا "میں اُمید کرتا ہوں کہ اپنے علم اور طاقت کے مطابق عمل کروں گا"۔ یہی سوال حضرت عثمانؓ سے بھی پوچھا گیا تو انھوں نے بھی اتفاق فرمایا۔

تب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنا سر اُوپر اٹھایا اور حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ کر اُن کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ سب سے پہلے انھوں نے ہی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ تب تمام مجمع آگے بڑھا۔ اُن میں حضرت علیؓ بھی آگے آئے اور بلا اختلاف حضرت عثمانؓ خلیفہ چُن لیے گئے۔ (۴ محرم سنہ ۲۴ ہجری۔ دوشنبہ)

خلافت کا مسئلہ بڑی خوبی سے حل ہو گیا۔ اُسی دن طلحہؓ آئے اور حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ انھوں نے طلحہؓ سے پوچھا "اگر تم چاہو تو میرے انتخاب سے اختلاف کر سکتے ہو"۔ تو جواب دیا "تمام لوگ جب ہم خیال ہیں تو میں بھی اس پر راضی ہوں" ہنستے بولتے خلافت کا مسئلہ وقت مقررہ پر حل ہو گیا۔ کہیں رنجش پیدا ہوئی اور نہ خلش۔

جو مرحلے اللہ کے نام اور حضرت رسولؐ کے کام پر سرانجام پاتے ہیں اُن میں خیر و برکت، خیر سگالی، بھلائی اور سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس میں ذاتی غرض، تنگ نظری، دھوکہ، فریب اور مکر کچھ نہیں ہوتا۔ یہی بات اُمّت کی بقا کے سامان بہم پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا گو ہوں کہ ہمیں زمانے کے فتنے اور فساد سے محفوظ رکھیں اور آج کے لیڈروں کو عقلِ سلیم دیں۔

مجھے یقین ہے کہ خلافت کے مسئلہ کو طے کرنے میں تم نے ایک اور خوبی کی بات دیکھی ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن بن عمر کو خلافت کی جھنجھٹ سے دور ہی رکھا ورنہ کہنے والے یہ کہتے کہ عمرؓ نے خلافت کو موروثی بنا دیا اور اپنے بیٹے کے حق میں وصیت کی یا اس حق میں ان کو بھی حصّہ دار یا دعویدار بنا دیا اور فساد کا پودا لگایا۔ حضرت عمرؓ کی دور رس اور نکتہ رس نظر اور تقویٰ بھرے دل نے اِس بات کو پسند نہ کیا کہ مرنے کے بعد لوگ یہ نہ کہیں کہ خلافت کے معاملے میں عمر نے بیٹے کو کھڑا کیا تھا۔ تم خود ہی آج کل کی روش اور روایات کو حضرت عمرؓ کے کردار سے مقابلہ کر کے دیکھو۔ آگ کا کام ہے چیزوں کو جلانا اور اِنسانوں کو خاکستر کرنا۔ اگر انسان

اس کے پاس نہ جائیں تو بیچاری آگ انھیں کیوں جلائے چلی۔ آگ اپنے آپ کسی کو نہیں جلاتی بلکہ لوگ خود اس میں کودتے ہیں۔ اور جل جاتے ہیں۔ جب آپ جانتے ہیں کہ وہ اپنی صفت سے مجبور ہے تو آپ وہاں جاتے ہی کیوں ہیں۔ فقط

"دور رہو اور محفوظ رہو" والا جملہ کتنا اچھا اور قدر کے قابل ہے"۔

فقط

تمہارا معین

# گیارھواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

حضرت عثمانؓ خلیفہ چُنے جانے کی کارروائی تمہیں پسند آئی ہو گی کیوں نہ ہو، اچھی بات کو کون نہیں پسند کرتا۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمہیں دین کا صحیح علم دیں تاکہ تمہاری عقل اور بڑھے، سوچ بچار کے طریقوں کو اور نکھار ملے۔ اِس طرح تمہارا بھی ایک مثالی کردار بنے۔

حضرت عثمانؓ خلیفہ چُنے گئے بہت اچھا ہوا، ہنسی خوشی سے خلافت کا مسئلہ طے ہو گیا، بڑے فخر کی بات ہے۔ حضرت عثمانؓ بڑے پیارے اِنسان تھے، اس میں کسی کو کلام نہیں اُن سے مُسلمانوں کو بڑی مدد ملی۔ اس سے کسی کو اِنکار نہیں جُمعہ کے خطبے میں آپ کو صاحب الحیاء والایمان کہتے ہیں۔ واقعی وہ بہت حیاء والے اور پکے ایمان والے تھے۔

مگر اللہ تعالےٰ کے کام بھی عجیب نرالے ہوتے ہیں۔ خلافت کے پہلے ہی دِن آپؓ کو ایک امتحان میں مبتلا کیا یعنی آپؓ نے مسندِ

خلافت پر قدم رکھے ہی تھے کہ سب سے پہلا مقدمہ قصاص کا پیش ہوا۔ وہ بھی بڑا نازک اور پیچیدہ نوعیت کا، آؤ تمہیں واقعہ سنادوں اور تمہیں سے پوچھوں کہ اس معاملے میں عثمانؓ کا دیا ہوا فیصلہ تمہیں پسند ہے؟

بات یہ ہوئی کہ ابولولو نامی ایک پارسی غلام نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کی نیت سے اُن پر اس وقت مہلک ہتیار سے حملہ کیا جب کہ حضرت عمرؓ فجر کی نماز میں امامت کر رہے تھے۔ وہ دوسری صف میں کھڑا تھا، بڑی پھرتی سے آگے بڑھا اور پئے یہ پئے چھ وار دو طرفی خنجر سے کئے جس کا دستہ درمیان میں تھا۔ چھٹا وار بڑا کاری لگا۔ وہ ناف کے نیچے تھا جس سے حضرت عمرؓ نڈھال ہو کر زمین پر گرنے کو تھے کہ آپ نے پہلی صف سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو کھینچ کر اپنی جگہ امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔ تاکہ نماز میں خلل نہ آئے۔ حضرت عمرؓ فرش پر گر پڑے اور بہت بے چین تھے۔ نماز ختم ہوئی، اُنھیں گھر پہنچایا گیا۔ ابولولو پکڑا گیا مگر پوچھ گچھ سے پہلے ہی اس نے چند اور صحابہ کو زخمی کر کے خودکشی کر لی۔ خلیفہ کی تدفین ہوئی اور ان کی حسب ہدایت مسلمان نئے خلیفہ کے انتخاب میں لگ گئے۔

ابھی نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ کے دوسرے

فرزند عبیداللہ بن عمرؓ نے پہلے ہرمزان (پارسی مسلمان) کی گردن اڑادی پھر حنیفیہ نصرانی کا سر قلم کیا۔ اس کے بعد ابولو کی بیٹی کا کام تمام کیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے تین قتل کئے۔ حضرت عمرؓ کا قاتل ابولولو تھا۔ یہ تینوں بے قصور تھے (بظاہر) مگر سزا انہیں بھگتنی پڑی۔ اصلی قاتل نے خودکشی کرلی۔ قصہ ختم ہوگیا تھا، کیسے پکڑتے اور قصاص کس سے لیتے۔ اسلام کا انصاف یہ نہیں ہے کہ باپ جرم کرے تو بیٹا پکڑا جائے۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھگتے گا۔ واقعہ ایسا ہوا اور مسئلہ کی نزاکتیں یہ تھیں۔ سلسلہ وار تین قتل ہوئے۔ عبیداللہ بن عمرؓ خاطی تھے، پکڑے گئے انھیں قید کر دیا گیا۔ وہ آزاد مدینے میں نہیں پھرے اور نہ پھر سکتے تھے۔ ایک تہمیں تین قتل میں پھنسے ہوئے تھے۔

تم تذبذب میں گئے ہوگے کہ واقعہ کیا تھا اور ماجرا کیا ہوا۔ مارا کون اور مرا کون، قصور کس نے کیا اور سزا کس نے بھگتی۔ وہ تینوں حضرت عمرؓ کے قاتل تو نہیں تھے، پھر بھید کیا ہے۔ تمہارا شک ٹھیک ہے۔ خالی ذہن والا ضرور شش و پنج میں پڑ جاتا ہے۔ مگر ایسا کرنے کا سبب بھی سن لو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ بڑے پائے کے صحابی تھے۔ تمام

صحابہ میں اُن کا مرتبہ اور مقام تھا۔ انھوں نے حضرت عبید اللہ بن عمرؓ سے کہا "حضرت عمرؓ کی شہادت سے دو دن پہلے ہرمزان جفینیہ اور ابولولو ایک جگہ بیٹھے ہوئے کچھ راز کی باتیں کرتے اور کانا پھوسی کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ مجھے آتا دیکھ کر یہ تینوں اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنی اپنی راہ لی۔ جب ابولولو کھڑا ہوا تو اس کی گود سے چھوٹ کر ایک خنجر گر پڑا۔ یہ وہی خنجر تھا جس سے حضرت عمرؓ کو شہید کر دیا گیا تھا۔ بعد میں حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ نے اس خنجر کو پہچانا، اس کی شناخت کی اور شہادت بھی دی۔

ایک اور صحابی نے کہا "شہادت سے ایک دن پہلے اُن تینوں کو ایک جگہ بیٹھے کانا پھوسی کرتے دیکھا تھا اور ہرمزان اس خنجر کو ہاتھ میں لئے اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس خنجر کی جانچ کر رہا تھا۔ ایک اور صحابی نے کہا "حضرت عمرؓ کی شہادت سے ایک دن پہلے میں ہرمزان کو ابولولو کے گھر پر دیکھا تھا۔"

ان بیانات سے حضرت عبید اللہ بن عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ ان کے والد کے قتل کے یہ تینوں سازشی تھے، شریکِ جرم تھے، مجرم تھے۔ یہ ساری روئیداد دارالقضا میں پیش ہونی چاہیے تھی، وہ جو فیصلہ دے اُس

کسی بات کو دل میں بٹھانے کے لئے میں نے اپنے خطوں میں "راست تخاطب" کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ طریقہ آج کل درس و تعلیم کا ایک بہتر اسلوب مان لیا گیا ہے۔ پھر ساتھ ہی مشفقانہ انداز بھی ہے۔ پند و نصائح کی طرف آج کل کے نوجوان بہت کم رجوع ہوتے ہیں بلکہ اس سے گریز کرنے لگتے ہیں۔

اللہ رب العزت سے میری دعا ہے کہ وہ میری سعی کو قبول فرمائے۔ میری خدمت کو خلوص اور صداقت سے بھر دے اور میرے ارادے میں پختگی عطا فرمائے۔

اس موقعہ پر میں اپنے ہمدرد بزرگوں اور دوستوں کو نہیں بھول سکتا جنھوں نے اس کتاب کی تدوین میں کسی نہ کسی طرح میری مدد فرمائی اور میرا دل بڑھایا ہے۔ سب سے پہلے عزیزی حفیظ چودھری کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے کتب خانے سے ایک عمدہ کتاب "تاریخ عثمان رض" مطبوعہ پاکستان مولفہ مولانا محمد یامین قریشی مجھے مطالعہ کے لئے دی۔ میں ممنون ہوں یامین قریشی صاحب کا کہ ان کی مذکورہ بالا کتاب میرے خطوں کا ایک گونہ ماخذ رہی ہے۔ نیز مصر کے مشہور مورخ اور ناقد ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا بھی ممنون

پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ مگر انھوں نے فرطِ غم میں اُن تینوں کا کام تمام کیا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ نے ان پر قابو پاکر ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اور انھیں ایک کمرے میں بند کر دیا۔ جب خلافت کا مسئلہ طے ہوا تو انھیں حضرت عثمانؓ خلیفہ وقت کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضرت خلیفہؓ نے انھیں مسجد کے کونے میں بٹھا دیا اور لوگوں سے رائے طلب کی۔

حضرت علیؓ نے کہا "عبید اللہ کو قتل کر دیا جائے۔

دوسروں نے کہا "کل خلیفہ کا قتل ہوا ہے اور آج ان کا بیٹا قتل ہو رہا ہے"۔ یہ بات کچھ اچھی نہیں لگتی۔

حضرت عمرو بن العاص نے کہا "اللہ آپ کو مواخذہ سے دور رکھے۔ یہ واقعہ آپ کی خلافت سے پہلے کا ہے"۔

لیکن فیصلہ خلیفہ وقت ہی کو کرنا تھا۔ موقعہ اور محل کی جانچ ضروری تھی۔ اُسی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تھا۔ ہرمزان کے فرزند نے جو ایک اچھے ذہن کے حامل تھے قصاص سے دست بردار ہوئے۔

تب حضرت عثمانؓ نے کہا "میں ان کا ولی ہوں، قتل کے بدلے

میں اپنی طرف سے دیت مقرر کرتا ہوں اور اُسے میں اپنی جیب سے ادا کرتا ہوں۔ اِس طرح اِدھر حدودِ شرعی کی تکمیل ہوئی اُدھر حضرت عبید اللہ رضؓ کی جان بچی۔ سرکاری خزانہ پر کسی قسم کا بار نہیں پڑا ـــــ حدود شرعی کا لحاظ ہوا۔ اصولِ دین کی پابجائی ہوئی۔ ایک کی جان بچی، حضرت عثمانؓ کی رحم دلی بھی اپنی جگہ قائم ــــــ ایک فیصلہ میں کئی چیزیں محفوظ ہوگئیں۔

تمہارے دل میں یہ بات محسوس رہی ہوگی کہ ابولولو (فیروز) حضرت عمرؓ کا جانی دشمن کیوں بن گیا۔ اس کا جواب تمہیں میری کتاب سیرتِ عمرؓ بہ طرز خطوط میں ملے گا، اُسے پڑھو۔

امین! قصاص کا فیصلہ سُن کر تمہارے چھوٹے سے دل میں حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ بات آئی ہوگی کہ حضرت عثمانؓ بہت بڑے دِل والے تھے۔ ہاں وہ بہت بڑے دل والے اور مہمان پرست تھے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ ساری دُنیا مانتی ہے کہ وہ بہت بڑے مرتبہ کے آدمی تھے۔ مگر بعض بدبخت ایسے بھی تھے اور آج بھی ہیں جو اتنے بڑے خلیفہ کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے اور اُجالے میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ہم نے سُنا تھا کہ لوگ اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں مگر

انسانوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو اُجالے میں بھی بھٹکتی پھرتی ہے ایسوں کے دل کی بصارت ختم ہو جاتی ہے۔ جب دل ہی اندھا ہو گیا ہے تو آنکھ کا کیا ٹھکانہ۔ انسان کا اصلی جوہر اس کی عقل سلیم ہے۔ اگر وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اِس سے تو جانور بہتر ہے کہ اس کے لئے کوئی مواخذہ نہیں اِس لئے کسی کے بارے میں جب تم کچھ بولو تو بات کو تولو اور پرکھو کہ وہ بولے جانے کے لائق ہے یا نہیں۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو اُسے چھوڑ دو اور چُپ رہو، اگر مگر، چونکہ لیکن ولیکن کے جھگڑے میں نہ پڑو۔ تمہارے چُپ رہنے سے ہزاروں فتنے دب جاتے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ ایک فتنہ ہزار قتل سے بدتر ہے۔ اسی باریک بات کو دِل میں رکھ کر کئی بزرگانِ دین برسوں چُپ رہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی سوانح میں، (جو میں نے لکھی ہے) تمہیں ایک بزرگ کا ذکر ملے گا، جو تیس برس تک چُپ رہے۔ حیدرآباد میں حضرت شاہ خاموش قبلہؒ کی بے مثال ہستی تھی جو برسوں چپ رہی کیا اِن حضرات کے منہ میں زبان نہ تھی مگر وہ ڈرتے تھے کہ "منہ سے نکلی ہوئی ہر اتی بات" اللہ نے زبان دی ہے تو اس کی تسبیح کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کیلئے دی ہے نہ کہ بیہودہ باتوں کے لئے۔

اِس لئے ہر بات میں بک بک کرنا بڑی بُری بات ہے۔ بات بات پر رائے زنی کرنا "بِن بلائے احمق لے دو دو سینگ" والی بات ہوتی ہے۔ یہ زبان ہی تو ہے جو پکڑا دیتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت صدیقؓ اپنی زبان کو مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ کر اُسے باہر کھینچ رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا "یا اخی! یہ کیا کر رہے ہو"؟ تو صدیقؓ نے کہا "کم بخت یہی تو ہے جو مجھے پکڑا دیتی اور لوگوں کے آگے ذلیل کرا دیتی ہے۔" اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں تم بھی چپ کی سادھو، یہ بہتر سادھنا ہے۔ عقل مند وہی ہے جو بہت کم بولتا ہے اور پوچھنے پر ہی منہ کھولتا ہے۔ بے وقوف وہ ہے جو بے وجہ بک بک کرتا ہے اور بن پوچھے درمیان میں منہ پھوڑتا ہے۔ کیونکہ

جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

اللہ کے عاشقوں کی چھ نشانیوں میں سے ایک نشانی "کم گفتن" ہے یعنی کم بولنا ہے۔ باقی نشانیوں میں کم سونا، کم کھانا، جسم کا زرد پڑ جانا، آہ سرد اور نمناک آنکھیں۔

عاشقاں را شش نشانی اے پسر
رنگ زرد و آہِ سرد و چشم تر

گر کسے پرسد کہ باقی سہ کدام
کم خورد، کم گفتن و خفتن حرام

فقط
تمہارا معین

# بارھواں خط

پیارے امین!

دُعا سلام

تم نے میرے پچھلے خط میں پڑھا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا ہی تھا کہ وہ ایک بہت بڑے امتحان سے دوچار ہوئے۔ مگر اللہ نے اُنہیں ایسی بصیرت دی تھی کہ اس کا معقول حل بھی بڑی آسانی سے نکل آیا۔ یہاں بھی اُن کی دریا دلی، انسان دوستی، خلق و مروت کام آئی۔ میں اِن انسانی خوبیوں کی آڑ لے کر اُصولِ دین کا خون تو نہیں کیا۔ ہمارے بزرگ پورے احتیاط کے بعد فیصلہ صادر کرتے اور ڈرتے بھی تھے کہ کہیں کسی کے حقوق تو متاثر نہیں ہو رہے ہیں۔ سہو اور نسیان کو درگزر کرنے کی اللہ تعالےٰ سے گذارش کرتے تھے اور صحیح رہنمائی کی اِلتجا کرتے تھے۔ اسی لئے منصف کا شریف اور خدا ترس ہونا ضروری ہے۔ آج بھی دُنیا حق پرست اور خدا ترس لوگوں سے

خالی نہیں ہے۔ ایسے لوگ دِن میں ڈیوٹی کرتے ہیں اور رات میں اللہ تعالےٰ کے روبرو آنسو بھری آنکھوں سے کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی زیادتیوں یا کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہیں گویا اپنے کئے کا آپ محاسبہ کرتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی سہو یا بھول چوک تو نہیں ہو رہی ہے۔ صحیح رہبری کے لئے اللہ تعالےٰ سے مدد مانگتے ہیں۔ آج کا اِنصاف سچائی اور قانون کا اِنصاف نہیں ہے بلکہ روپے پیسے کا اِنصاف ہے۔ اخلاقی جُرأت کسی میں نہیں۔ تمہیں کوئی پچاس برس پہلے کا ایک واقعہ سُناتا ہوں۔

ایک بستی میں ایک ہی مہینے کے اندر دو قتل ہوئے۔ صحیح قاتل کا پتہ لگانے میں متعلقہ افسر ناکام رہے اور اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے یا کارگزاری جتانے کے لئے ایک غریب اور بے زبان فقیر کو پکڑا اور اُس پر قتل کا مقدمہ چلایا اور سات سال کی سزا اُسے دِلادی۔

اس کے کچھ ہی دن بعد وہیں ایک اور قتل ہوا، قاتل پکڑا گیا۔ اُس نے اقبال کیا کہ سابقہ دو قتل اُس نے ہی کئے تھے مگر کسی عہدہ دار میں اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ عدالت میں بیان دیتا کہ اصلی قاتل پکڑا گیا ہے، نقلی قاتل کو رہا کیا جائے۔ اگر وہ عہدہ دار ایسا کرتا تو انصاف

خود اس کی جرأت پر فخر کرتا اور انصاف کا بول بالا ہوتا اور دُنیا میں حق کا چلن ہوتا تو اس عہدہ دار کو ترقی مِل جاتی اور اوارڈ دیا جاتا۔

امین! بات کچھ تھی اور کہہ گیا کچھ اور، مگر میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے انصاف کی بات کہی ہے۔ اگر آج انصاف کی اتنی بھی لاج رکھ لی جائے تو حضرت عُمرؓ کا دور پلٹ کر آجائے جنھوں نے انصاف ہی کی خاطر اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو برسرِ عام دُرّے لگائے تھے اس اندیشے کے تحت کہ اس علاقے کا حاکم اگر درّے لگائے گا تو خلیفہ کا بیٹا ہونے کی مروّت میں آکر کوڑوں کی شدّت میں کمی کردے گا۔

میرے اگلے خط میں تم پڑھوگے کہ حضرت عثمانؓ سرکاری اور غیر سرکاری حیثیت میں کتنے صاف دِل، پاکباز، خداترس، انصاف پسند اور قدم قدم پہ اپنے عمل کا محاسبہ کرنے والے تھے۔ چنانچہ اُن کے دو ایک فرمان پڑھنے کے بعد جنھیں اگلے خط میں درج کررہا ہوں خود اندازہ لگالو کہ وہ کتنے بڑے اِنسان اور اچھے خلیفہ تھے۔ فقط

تمہارا مُعین۔

# تیرھواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

پچھلے خط میں تم نے دیکھ لیا کہ حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی اُن کی خدمت میں قتل کا مقدمہ پیش ہوا۔ وہ اُن کے لئے بڑی آزمائش تھی مگر اللہ کی مہربانی سے انھوں نے ایسا فیصلہ دیا کہ ایک جانب طرفین خوش تھے تو دوسری طرف اللہ اور اُس کے رسولؐ بھی مطمئن تھے یہ اُن کی نیک نیتی اور انصاف پسندی تھی۔ حق اور ایمان کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ آج کل کی عدالتیں اور اُن کا انصاف بھی سُن لیا۔ میرے ایک دوست نے مزاحیہ انداز میں کہا تھا "آج کل کی عدالتوں میں کیا ہوتا ہے؟" اِن صاف ہوتا ہے یا اُن صاف ہوتا ہے" یعنی دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں کے دونوں صاف ہو جاتے ہیں۔

وعدے کے مطابق آج مجھے حضرت عثمانؓ کے دو ایک زمان

تمہیں سُناتا ہوں جو اُنھوں نے خلیفہ ہوتے ہی عہدہ داروں اور عام مُسلمانوں کے نام جاری کئے تھے۔ اُن کے دیکھنے سے حضرتؓ کی صاف دِلی اور اِنصاف پسندی کا ثبوت مِلتا ہے اور تمہیں اُن کی صاف دلی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

## صوبوں کے حاکموں کے نام فرمان:

"امابعد! اللہ تعالےٰ نے حکامِ وقت کو رعایا کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے۔ اُن کو خزانہ جمع کرنے والا نہیں بنایا ہے اُس نے اُمّت کے حکام کو محافظ پیدا کیا، خزانچی نہیں پیدا کیا۔ اللہ اور اُس کے رسُول کا حکم ہے اُس میدان میں جو حاکم مقرر کئے جائیں وہ رعایا کے ساتھ نیکی اور نرمی کا برتاؤ کریں، چرواہوں کی طرح مُسلمانوں کی حفاظت کریں، جو حق ہے اُنھیں دِلائیں۔ اُن پر اللہ اور اس کے رسُول اور اللہ کے دِین کا حق ہے وہ اُن سے لیں۔ دشمنوں پر قابو پالیں تو اُن کے ساتھ سچائی اور اچھائی کا سلوک کریں۔ غریبوں بے کسوں، بیواؤں اور یتیموں اور اِسلام کی پناہ میں آنے والوں پر کوئی ظلم نہ کریں ورنہ اللہ شانہٗ ان سے بدلہ

ہوں کہ موصوف کی کتاب "عثمان تاریخ کی روشنی میں" میرے مطالعہ میں رہی اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ ناسپاس گزاری ہوگی اگر میں حضرت معین الدین صاحب ندوی کی خدمت میں ہدیہ خراج نہ پیش کروں جن کی بیش بہا تخلیق "خلفائے راشدین" از ابتدا تا انتہا میری فکر اور جستجو کو مطمئن کرتی ہے۔ میں بے حد ممنون ہوں ڈاکٹر حسن الدین احمد آئی۔ اے۔ ایس ریٹائرڈ کا کہ موصوف کی دقیق نظر نے اس کتاب کے حسن و قبح کی نشاندہی کی اور ان مقامات کی طرف اشارہ کیا جس سے شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں یا جو غیر اصل اور وضعی ہیں۔ چنانچہ موصوف کے مشورے کے مطابق حتی الامکان کتاب کو شکوک اور شبہات سے پاک کر دیا گیا ہے۔

میری سپاس گزاری مولانا سید شاہ اعظم علی صوفی صاحب ایم۔ کام، ایل۔ ایل۔ بی، سی اے کی خدمت میں پیش ہے جنھوں نے از حرف اول تا آخر اس کتاب کو بہ نظر غائر دیکھا اور مفید علمی مشورے عنایت فرمائے۔ جناب ڈاکٹر سلطان محی الدین پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی (شعبہ عربی) کا ممنون ہوں کہ موصوف نے بھی اس کتاب کے مسودے کو اصلاحی نظر سے دیکھا، میرے طرز تحریر کو پسند

لے گا۔ یاد رکھو! تم نے بڑائی کا یہ رُتبہ اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرکے حاصل کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دُنیا کا مال اور مرتبہ تمہیں اس اچھے اور سچے راستے سے ہٹا دے۔ ایسا زمانہ عنقریب آنے والا ہے۔ جب حکام وقت محض خزانہ جمع کرنے والے ہوں گے تو حیا، امانت اور وفا ختم ہو جائیں گے۔ خبردار! تم پر لازم ہے کہ اسلام اور شریعت کی پابندی کرو اور فریب سے بچو۔"

## سرحدوں کے سرکاروں کے نام احکام

"امابعد! تم لوگ اسلام کی حفاظت کرنے والے ہو۔ تمہارے لئے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ نے جو طریقہ مقرر کیا ہے وہ سامنے ہے بلکہ ہماری تمام جماعت کے سامنے ہے۔ تمہاری طرف سے تغیر یا تبدیلی ہوئی یا تم نے کوئی تبدیلی اختیار کی تو اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ بدل جائے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو مسلط کر دے گا۔ اب تم اپنے آپ کو سمجھو اور خیال رکھو کہ تمہیں کیا طرز اور طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ میں تمہاری ضروریات اور لوازمات کو غور سے دیکھ رہا ہوں۔

## مالیہ وصول کرنے والوں کے نام فرمان

حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہ راہِ حق ہی قبول کرتا ہے، بس حق لو اور حق دو۔ بڑی بات امانت ہے۔ تم اپنے اندر امانت کے جوہر پیدا کرو۔ خلافِ امانت کام کر کے اپنے ہاتھ کالے نہ کرو، وفا کا خیال رکھو، یتیموں، ذمیوں اور غیر مسلم پر زیادتی نہ کرو۔ اگر ان کے اوپر ظلم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے مقابل ہو گا۔

ان فرمان میں مختصر طور پر اُن ہی باتوں کی تاکید کی ہے۔ اور رغبت دلائی گئی ہے جن کا ذکر پہلے فرمان میں آچکا ہے۔ البتہ اُس میں ایک قسم کی شدت کا اظہار ہوتا ہے جس سے پہلا فرمان خالی ہے۔ پہلے فرمان میں تعلیم و تلقین ہے اور اس میں مواخذہ اور خوف۔

## عام مسلمانوں کے نام فرمان:

"اما بعد! تم لوگ اتباع اور فرمانبرداری کی بدولت اِس رُتبے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

پر پہنچے ہو۔ تم دُنیا کی طرف التفات نہ کرو۔ خبردار! دنیا تمہیں تمہارے اصلی کام سے غافل نہ کردے ورنہ یہ اُمت بدعات کی طرف جھک جائے گی۔ تب اُن میں یہ تین باتیں آجائیں گی۔

۱۔ خوش حالی اور فارغ البالی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

۲۔ قیدی لونڈیوں سے پیدا ہونے والی اولاد جوان ہو چکی ہوگی۔

۳۔ عجمی اور دیہاتی عرب قرآن پڑھنے لگیں گے۔

حضرت رسولؐ اللہ نے فرمایا "کفر عجمیوں اور غیر عربوں میں ہے۔ جب کوئی آیت سمجھ میں نہ آئے گی تو وہ تکلف اور جدت سے کام لیں گے۔

اِس فرمان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عثمانؓ سنّت کی حفاظت کرنے پر زور دیتے ہیں، برائیوں سے بچنے اور تکلفات سے دور رہنے کے لیے خبردار کرتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو ڈرایا کہ دُنیا کی لالچ کہیں اُن کو اللہ کے راستے سے نہ ہٹا دے۔ انھوں نے تین بُرائیوں کے خطرات سے باخبر کیا۔

۱۔ عیش و عشرت کی مزے دار زندگی جو روز بروز ترقی

کرتی جارہی ہے اُن کو برباد کر دے گی۔

۲۔ قیدیوں اور رومیوں سے پیدا ہونے والی اولاد جوان ہو کر اُن کے لئے خرابی کا باعث بنے گی۔ اُن کا خون خالص نہ ہوگا بلکہ اُن میں غیر ملکی ماؤں کا خون ملا ہوگا۔ اللہ اور دین کی پیروی کی جگہ نئی نئی باتیں اور بدعتیں پیدا ہوں گی۔

۳۔ دین میں نئی نئی باتیں داخل ہوں گی جن کا تعلق دین سے نہ ہوگا اور سادہ اور آسان علم کو جہالت اور تکلف میں الجھا دیا جائے گا۔

۴۔ قرآن کے آسان مفہوم اور مطلب اُن کے سمجھ میں نہ آئیں گے تو وہ اپنی مرضی کے معنی اور بناوٹ کی باتیں داخل کریں گے

امیں! تم نے دیکھ لیا کہ فرمان کتنے سادہ، عام فہم مگر اُن میں کتنے گہرے معنی چھپے ہیں اور حضرت عثمانؓ کی نظر میں اُمت کی بھلائی اور اُبھرتے ہوئے اندیشے دونوں موجود تھے۔ نیت اور ارادے میں بلا کی دل گیری اور خلوص تھا اور کس درجہ جگر سوزی تھی۔

ہمارے دین میں آسانی ہے تنگی نہیں۔ یہ دینِ فطرت ہے

فطرت نہایت سادہ اور آسان ہوتی ہے۔ خلیفہ کا کام ہے کہ دین کی حفاظت کے لئے حاکموں کو خبردار کریں۔ انھیں پابند کریں کہ لوگوں پر ظلم زیادتی نہ کریں، حق اور انصاف سے کام لیں۔ حضرت عثمانؓ نے وہی کیا جو اللہ اور رسولؐ نے حکم دیا۔

انشاء اللہ اگلے خط میں حضرتؓ کے دور کی فتوحات اور اسلامی حدود کی توسیع بیان کروں گا۔

"حق دو اور حق لو، کمزوروں پر ظلم نہ کرو، محتاجوں پر رحم کرو دین کے راستے پر چلو، دین میں نئی باتیں نہ لاؤ، خیانت نہ کرو، دیانت دار رہو ورنہ اللہ تمہارے مقابل آئے گا اور تمہیں مرتبے سے ہٹا دیگا"

یہ ہے خلاصہ حضرت کے چاروں فرمانوں کا جو انھوں نے صوبوں کے حاکم، سرحدوں کے سردار، عاملین اور عام مسلمانوں کے نام جاری فرمائے تھے۔ ان میں ہدایت، پند و نصائح بھی ہیں اور خاطیوں کے خلاف تنبیہہ بھی۔ سب سے اہم "حق لو اور حق دو" والی بات ہے۔ تمہیں معلوم ہے حق دو قسم کے ہیں ۱۔ حق اللہ۔ ۲۔ حق العباد۔ بعض دفعہ حق العباد کو حق اللہ پر ترجیح دیجاتی ہے چونکہ اللہ کسی کے حق کے لئے بندوں کا محتاج نہیں بلکہ اس میں

بھی بندوں کی بھلائی ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت امام صاحبؒ نے ایک دفعہ حج کا ارادہ فرمایا۔ مریدین، معتقدین اور خادمین کو ساتھ لے کر وطن سے نکلے اور گاؤں گاؤں، منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے ایک بستی سے گزر رہے تھے راستے میں کوڑے کرکٹ کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ حضرت نے دیکھا کہ اس کچرے میں ۱۰، ۱۱ سال کی ایک لڑکی کچھ ڈھونڈ رہی ہے اور کچرے کو اُلٹا پلٹا رہی ہے۔ حضرت کو تعجب ہوا تو وہیں ٹھہرے اور دیکھتے رہے۔ دور سے ہی دیکھا کہ اس لڑکی کو کچرے میں کوئی چیز ملی اور اُسے اس نے جھٹ دامن میں چھپا لیا۔ حضرت کو اور تعجب ہوا۔ اس لئے وہ لڑکی کے قریب گئے اور پوچھا" اس کچرے میں تم کیا ڈھونڈ رہی تھیں؟" اس نے جواب دیا" جی کچھ نہیں"۔ حضرت نے کہا" تمہیں ابھی کچھ ملا ہے"۔ تو کہا" کچھ نہیں" تو فرمایا" تم نے دامن میں کچھ چھپا رکھا ہے" تب لڑکی نے دامن سے وہ چیز نکالی اور کہا" دیکھئے یہ مرغی ہے"۔ حضرت نے کہا" یہ مردار ہے اور حرام ہے"۔ بچی نے کہا" ہاں جانتی ہوں، لیکن یہی مردار چیز آج ہمارے لئے حلال ہے"۔ تو پوچھا،

"وہ کیسے ؟" تو کہا " ہم یتیم ہیں، پانچ بھائی بہن ہیں، امّی کیسا تھ وہاں اس گھر میں رہتے ہیں۔ تین دِن سے ہم نے کچھ کھایا نہیں اور جان نکلی جارہی ہے۔ اِس مرغی کو لے جاکر بھون لوں گی"۔

حضرت نے دم بخود ہوکر بچی سے کہا " مجھے اپنے گھر لے چلو" وہ وہاں گئے اور دیکھا کہ گھر کا نقشہ ہی اور ہے، ماں اُداس ایک طرف بیٹھی تھی دو بچے فرش پر لوٹ رہے تھے اور بلک رہے تھے۔ ایک بچہ گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہچکیاں لے رہا تھا۔ اور ایک شیر خوار بچہ ماں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ حضرت نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے لوگوں کو بلایا اور فرمایا "یہاں سے اپنے گھروں کو لوٹنے کے لئے جتنے خرچے کی ضرورت ہے وہ محفوظ رکھ کر مابقی جو کچھ رہے، اس بچی کو لاکر دے دو۔ ہم یہیں سے گھر لوٹیں گے، ہمارا حج ہوگیا"۔

اِس روایت کو سُن کر تمہارے ذہن میں کیا بات آرہی ہے؟ شاید تم بتا نہ سکو گے۔ میں بتاؤں؟ حضرت نے حق العباد کو حق اللہ پر ترجیح دی۔ حج جیسا اہم فریضہ پس پشت پڑ گیا اور بندوں کا حق اولیت پاگیا۔ اِس لئے تم بھی بندوں کے حقوق ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہو۔ بندوں میں سبھی آجاتے ہیں، ماں باپ، بھائی بہن

خویش اقربا، اڑوس پڑوس، دوست احباب، مسکین و محتاج
تا بمکان اور تا بحد واجبیت کے حقوق کا لحاظ رکھو۔

فقط

تمہارا معین۔

۳۰۵۹۳

# چودھواں خط

پیارے امین! دُعا سلام۔

گذشتہ خط میں تم نے حضرت عثمانؓ کے فرمان پڑھے۔ انھوں نے یہ فرمان عہدہ داروں، سرداروں، مُسلمانوں اور عام رعایا کے نام جاری کئے تھے اور ہدایت کی تھی کہ اُن پر اگر عمل کروگے تو دین اور دُنیا کی بھلائی تمہارا اِستقبال کرے گی ورنہ اللہ تعالےٰ تمہارے مقابل ہوکر تمہیں اس مرتبہ اور مقام سے ہٹا دیں گے جو تم نے اطاعت کر کے حاصِل کیا تھا۔ اور تم پر دوسرے کو مسلط کیا جائے گا۔ ان فرمانوں میں بڑی حکمت اور دانائی تھی ؎

"مانو نہ مانو آپ کو اب اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو بتلائے جاتے ہیں"

اُسی خط میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بات آگئی تھی وہاں یہ بھی بتایا تھا کہ حقوق اللہ پر بعض دفعہ حقوق العباد سبقت

فرمایا اور بڑی دلجوی اور ہمت افزائی بھی فرمائی اور بالمشافہ اس پر گفتگو کرکے اچھے مشورے دیئے۔

اس موقعہ پر میں اپنے عزیز شاگرد رشید پروفیسر قیصر زمانی یونیورسٹی حیدرآباد کو نہیں بھول سکتا جنھوں نے تاریخی واقعات پر دقیق نظر ڈال کر اس کتاب کو پاک اور مؤید مصفا بنایا۔

فقط

سید خواجہ معین الدین

۱۷ ستمبر ۱۹۹۱ء م ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

روز سہ شنبہ

پا جاتے ہیں۔ کسی نے کہا تھا "مسجد و مندر کے راستے گھر سے بہت دور ہیں۔ گھر بیٹھے کسی روتے ہوئے چہرے کو ہنسا لینا بھی عبادت ہے"۔

گھر سے ہیں دور مسجد و مندر کے راستے
آؤ کسی روتے ہوئے چہرے کو ہنسا لیں

وعدے کے مطابق مجھے اِس خط میں حضرت عثمانؓ کے دور کی فتوحات اور اِسلامی حدود کے پھیلاؤ کا ذکر کرنا ہے اور بتانا ہے کہ اُن کا دور صرف نصیحت اور تلقین کرنے یا فتنے فرو کرنے میں نہیں گزرا بلکہ اُن کے دور میں بڑی بڑی سلطنتیں زیر ہوئیں۔ افریقہ کے چٹیل اور بے آب و گیاہ میدانوں میں مُسلمانوں نے اپنے گھوڑے دوڑا دئے تھے اور سارے افریقہ کو زیر کر لیا تھا۔ گویا سیاسی اور دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ آپ فوجی مہارت کے بھی حامل تھے، دوسرے علاقوں میں پھیلے ہوئے مُسلم سپاہیوں کو کب اور کِس طرح مدد پہنچائی جائے، وہ خوب جانتے تھے۔ اور وقت پر مدد بھیج کر اُن کے حوصلے بلند کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی ۱۲ سالہ مدت خلافت میں اِسلامی حکومت

کی خوب توسیع ہوئی۔ مُسلم فوجوں نے کہیں شکست کا منہ نہ دیکھا۔ اُن کے فتح کئے ہوئے علاقوں کی رعایا خوشحال تھی، سرکاری خزانہ (بیت المال) بھرا بھرا تھا۔ رفاہی کام اپنی اپنی جگہ خوب جاری تھے سڑکیں، سرائیں اور نہر تعمیر ہوئیں، زراعت میں ترقی ہوئی۔ اس وجہ سے ملک کا مالیہ بڑھا۔ حضرتؓ کے دور کی چند مشہور فتوحات ذیل میں درج ہیں۔

اُن کے دور کا سب سے بڑا کارنامہ اسکندریہ کی فتح ہے۔ گو یہ علاقہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں زیر ہو چکا تھا لیکن اُن کی شہادت کی خبر پاکر وہاں کے لوگوں نے رومی اور قبطی مفسدوں سے مِل کر بغاوت کر دی اور آزادی کا اعلان کر دیا اِس لئے حضرت عثمانؓ سب سے پہلے اس طرف متوجہ ہوئے۔ ورنہ یہ بغاوت آگ کی طرح پھیل جاتی اور نواحی علاقوں کو بھسم کر دیتی۔ نہ صرف اتنا ہی بلکہ دور، دور کے مقاموں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی فوجی بصیرت نے اس حقیقت کو تاڑ لیا اور فوری توجہ کر کے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ہوا ایسا کہ اسکندریہ والوں نے چھپ چھپ کر ہرقل سے سازباز

شروع کر دی۔ اُن میں رومیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ ذمّی رومیوں کے کہنے سُننے سے ہرقل نے بڑی بھاری فوج لے کر سکندریہ پر حملہ کر دیا۔ مگر عمرو بن العاصؓ کے ہاتھوں منہ کی کھائی اور راہِ فرار اختیار کی۔ اسکندریہ اب مُسلمانوں کی علمداری میں پوری طرح آگیا اور وہاں مسلم عہدہ دار مقرر کر دیئے گئے۔ فتح کے بعد اسکندریہ کے لوگوں نے شکایت کی کہ مصری جاتے جاتے ہمارا مال و اسباب لوٹ کر لے گئے تھے۔ وہ اب آپ کے قبضہ میں آچکا ہے، ہم آپ کی ذمّی رعایا ہیں۔ ہمارا مال ہمیں دِلا دیجئے۔ یہ اُن کی فاقہ بدمستی نہیں تو کیا ہے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ اُن کی شامت اعمال پکاری تھی جو ہرقل کو دعوت دی۔ فتح کے نقارچی کا پارٹ ادا کرنا چاہتے تھے کہ ہرقل اگر کامیاب ہو جائے تو پھر ہمارا بول بالا ہے اور اگر وہ ہار گیا تو پہلے سے ہم مسلمانوں کے زیرِ سایہ اُن کی ذمّی رعایا کے طور پر تو تھے ہی، مگر اب اور قریب ہو کر مزید مراعات حاصل کریں گے۔ مسلمانوں نے ان کی اس مکر بھری چال کو تاڑ لیا عفو و درگزر کے معاملے میں دُنیا کی کوئی قوم اِنکی ہمسری کا دم نہیں بھر سکتی۔ تھی، انھوں نے ذمیوں کی مکاری کو تاڑ کر بھی

کشادہ دِلی کا ثبوت اِس طرح دیا کہ عام اِجازت دیدی "اپنے مال کی شناخت اور گواہی کے بعد اسے لے جا سکتے ہو" ورنہ وہ آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ اسکندریہ کو ہم نے جان کی بازی لگا کر دوبارہ جیتا ہے اِس لئے سامان کی واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیوں کہ وہ اب ہمارے لئے مالِ غنیمت ہے۔ مزید یہ کہ تمہاری دغابازی کی سزا یہی ہو سکتی ہے"۔ مگر مُسلمانوں کی دریا دِلی کو داد دینا پڑتا ہے کہ انھوں نے مال واپس کر کے نہ صرف اپنا وعدہ نبھایا بلکہ حق اور اِنصاف کی ایسی مثال قائم کی کہ دنیا ایسی کوئی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ اِسی لئے مُسلمان اگر کسی علاقے کو چھوڑ جاتے تو وہاں کی رعایا دُعا مانگتی تھی "مسلمان لوٹ کر پھر آئیں"۔

رومی جن میں اکثر یہودی اور عیسائی تھے بڑے بدنفس اور بدفطرت تھے۔ ذرا قابو مِلا تو سر پر چڑھ جاتے تھے اور اگر دبایا گیا تو پیر پکڑ لیتے تھے۔ اُن کا کوئی کردار ہی نہ تھا۔ پرلے درجے کے سازشی، بہانہ باز اور منافق تھے۔ میں نے حضرت عمرؓ کی سیرت والی کتاب میں ایسی کئی مثالیں دی ہیں۔

اُسی سال حضرت خلیفہ نے کسی وجہ سے حضرت سعدؓ

ابی وقاص رضؓ کو کوفہ کی گورنری سے ہٹا کر اُن کی جگہ ولید بن عقبہ بن مسعیط رضؓ کو مامور کیا۔ یہ خلافت کا داخلی معاملہ تھا۔ اس علاقہ پر سعدؓ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ موقعہ پاکر آذربائیجان اور آرمینیا والوں نے ملکر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو مسلم سپاہیوں نے اُن پر شب خون مارا تو وہ ایسے بھاگے جیسے رات کی تاریکی میں شیر کے حملے سے بکریوں کے ریوڑ تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ القصہ آرمینیا اور آذربائیجان والوں نے صلح کرلی اور اُسی وقت آٹھ ہزار درہم بھی بطورِ جزیہ پیش کر دیئے۔ اسلامی فوج کوفہ لوٹ رہی تھی راستے میں خلیفہ کا فرمان ملا "رومیوں نے شام پر حملہ کر دیا ہے، اس لئے اس فوج سے ۸ ہزار پھرتیلے سپاہی امیر معاویہ کی مدد کے لئے وہیں سے شام کی طرف نکل جائیں۔" مسلم سپاہیوں نے بڑھ بڑھ کر اپنے نام لکھائے۔ چنانچہ یہ دستہ وہاں پہنچا۔ ادھر سے سعد بن وقاص رضؓ بھی اپنے سپاہیوں کو لے کر پہنچ گئے، بڑی شدت کا رن پڑا۔ بالآخر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ دشمنوں کے کئی قلعے ہاتھ کو آئے۔ انھیں نیست و نابود کر دیا گیا تاکہ وہ پھر انھیں اپنی پناہ گاہ کے طور پر استعمال نہ کر سکیں۔ اور پھر سرکار دو

بلنے نہ پائیں۔ اب رومی مسلمانوں کے قدموں پہ اس طرح آگرے کہ وہ پھر سر نہ اٹھا سکے۔

امین! میں تمہیں دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک تو مسلمانوں کی واجبیت پسندی، دوسری ان کی سرفروشی۔ ابھی تم نے دیکھا کہ آذربائیجان کے چند لوگ مسلم سرداروں کے پاس شکایت لے آئے۔ تھے کہ ان کا وہ مال جو رومیوں نے لوٹ لیا تھا اور وہ اب مسلمانوں کے قبضے میں ہے، اسے واپس دلایا جائے۔ چونکہ ان کی شکایت ایک لحاظ سے واجبی تھی۔ اس لئے رومیوں کا لوٹا ہوا مال انھیں لوٹا دیا گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو آگے بڑھنا ہوتا تھا تو سپاہی اپنے سردار کے پاس جوق در جوق جاتے اور اپنا نام لکھا کر آتے تھے۔ تم کہو گے کہ انھیں مالِ غنیمت کی چاٹ لگ گئی تھی۔ ایسا کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ مالِ غنیمت کے معاملے میں مسلمانوں کو جنگِ اُحد میں بڑا تلخ تجربہ ہوا تھا۔ اگر اللہ کی رحمت ساتھ نہ دیتی تو مسلمانوں کا آج نام لیوا کوئی نہ ہوتا۔ ویسے تمہیں وہ بات یاد ہے کہ جب مسلمان شاہِ ایران کے محل میں داخل ہوئے تو

تو سردار کے حکم کے بغیر محل کے جواہرات کو ہاتھ نہ لگایا اور جب مال جمع کرنے کا حکم ملا تو محل کے نوادرات کو اپنے ہاتھوں سے ایسا پکڑا جیسا کوئی سانپ بچھو اور دیگر زہریلے کیڑوں کو پکڑتا ہے۔ ایسی مثالوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہ مسلمانوں کو مال و دولت کی چاٹ لگ گئی تھی، درست نہیں۔

قوم اپنی جو زر و مال جہاں پہ مرتی
تو تب فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی

تم کہو گے کہ عیش و عشرت کی زندگی کے لالچ نے انھیں سرفروشی کے لئے آمادہ کیا۔ تم اسے عیش و عشرت کی زندگی کہتے ہو، وطن سے کوسوں دور ماں باپ اور بال بچوں کو چھوڑ کر، بھوک اور پیاس سے تنگ کر، پیٹ پر پتھر باندھ کر، کانٹی بھرائی کو روندکر زخموں سے چور ہو کر گزارے جانے والے دن رات کو تم عیش و عشرت بھری زندگی کہتے ہو۔

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت لئے
اور مرتے تھے تیرے نام کی عظمت لئے

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لئے

اب بتاؤ وہ کیا چیز تھی جو انھیں بے دریغ اپنی طرف کھینچتی تھی۔ تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے تو میں بتاتا ہوں، وہ کیا بات تھی؟ — وہ تھی جہاد کی اسپرٹ۔ تم پوچھو گے جہاد کی اسپرٹ کیا ہوتی ہے؟ تو سنو! وہ تھی اللہ کی حکومت کی بحالی اور اس کا چلن، اس کے نام کی بلندی اور محمدؐ کے نام کی روشنی دُنیا میں پھیلانا اور فلاحی حکومت قائم کرنا — جب وہ ایسا کرتے تھے تو اللہ تعالےٰ کی تائید بھی شریکِ حال رہتی تھی۔ دولت کمانا یا جمع کرنا اُن کا مقصد نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ دُنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کا جھنڈا لہرائے اور ہر جگہ حق اور انصاف کا چلن ہو۔ "جیئں تو آزاد جیئں، مریں تو آزاد مریں"۔ یہ آرزو اُن کے دلوں میں مچلتی تھی۔ اُن کے دل مضبوط تھے۔ نظر میں سیری تھی۔ اللہ کے دین کے لیئے سرفروشی اُن کا شعار تھا۔

یہ قوموں کی بدبختی ہے کہ قیام امن کا کام مسلمانوں کے حوالے

نہیں کرتیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو آنِ واحد میں دُنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اُن کی خود غرضیاں اور تنگ نظریاں مُسلمانوں سے ایسے کام لینے نہیں دیتیں بلکہ وقفہ وقفہ سے اُنھیں نشانہ بناتی ہیں تاکہ وہ اُبھرنے نہ پائیں۔ رہبری کا نام لے کر رہزنی کرتی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آج دُنیا میں کس کو اپنا سمجھیں۔ مسلمانوں کے نام سے اُنھیں بخار چڑھتا ہے۔ وہ مکر و فریب کر کے مسلمانوں کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ روزگار تعلیم، فلاح و بہبود اور مذہبی آزادی سے انھیں دور رکھتی ہیں۔

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکبِ قسمتِ انسان ہے علامت تیری
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

فقط تمہارا
معین

# پندرھواں خط

پیارے امین! دُعا سلام۔

میرے پچھلے خطوں میں تم نے دیکھ لیا کہ حضرت عثمانؓ کتنے پیارے اور نیک دِل خلیفہ تھے۔ اُن کے فرمانوں میں اُن کی نیک دِلی اور بندوں کی خدمت گزاری کا جذبہ جھلکتا ہے اور وہ دین میں داخل ہونے والی نئی نئی باتوں پر گہری نظر رکھتے تھے اور بار بار مُسلمانوں کو خبردار کرتے تھے کہ اگر دین سے ہٹ جاؤ گے تو تمہارے فرائض ختم ہو جائیں گے اور تم کہیں کے نہ رہو گے۔

آپ کی خلافت کے پہلے چھ سال کی مدّت جنگ و جدال اور جہاد میں گزری۔ ایک سال تک حضرت عمرؓ کے نظامِ حکومت کو برقرار رکھا۔ اِلّا مغیرہ کی معزولی کے جو حسبِ وصیت حضرت عمرؓ عمل میں لائی گئی۔ اُن کی جگہ حضرت سعد بن وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور مسجد نبویؐ میں عام مجمع کے روبرو صاف صاف کہدیا کہ مغیرہ

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

کی معزولی کسی جرم کی بنا پر نہیں بلکہ سابق خلیفہ کی وصیت پر ایسا کیا گیا تاکہ کوئی غلط فہمی اور وہم و گمان کا اندیشہ نہ رہنے پائے۔ اسکندریہ اور آرمینیا کی دوبارہ فتح کی تفصیل بھی تم نے پڑھ لی۔

اب مجھے آفریقہ میں مسلمانوں کی مسلسل کامیابی کا ذکر کرنا ہے۔ آفریقہ کی مہم بھی حضرت عمرؓ کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی مگر حضرت عمرؓ کی جنگی بصیرت نے مسلمانوں کو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ اُس کے دو سبب تھے۔

۱۔ مسلمان سپاہیوں کو آرام کی ضرورت تھی۔ وہ لڑتے لڑتے بہت تھک گئے تھے۔ وہ اپنے گھروں سے بہت دور ہو گئے تھے۔ مرکز سے نکلنے ہوئے سپاہیوں میں کتنے شہید ہوئے، کتنے بقیدِ حیات تھے۔ پھر اُن میں کتنے زخمی اور معذور تھے اور کتنے نئے سپاہی مامور کئے گئے اُن کا ایک ملٹری ریکارڈ ضروری تھا۔

۲۔ غازی یکے بعد دیگرے علاقے فتح کرتے گئے اور آگے بڑھتے ہی گئے۔ قبضے میں آئے ہوئے علاقوں کا ٹھیک انتظام بھی ضروری تھا۔ ورنہ وہ آگے بڑھتے ہی زیر آئے ہوئے علاقوں کے لوگ مضبوط انتظام کے نہ ہونے سے باغی ہو جاتے تھے۔ یہ بات ایک اچھی حکومت کے لئے

نہ تھی۔ وہاں مُسلم عہدہ داروں کی تعیناتی ضروری تھی۔ جیسے گورنر، عامل، قاضی، خزانچی وغیرہ۔ اِن تمام باتوں سے ہٹ کر ایک اچھا فوجی جرنیل کا تقرر بھی ضروری تھا۔ جس کے قبضے میں پھرتیلے سپاہی کی بڑی اچھی خاصی تعداد بھی ضروری تھی۔

رومی ہمیشہ مُسلمانوں کی نقل و حرکت پر برابر آنکھ لگائے ہوئے رہتے تھے۔ موقعہ ملتے ہی ذمی رعایا کو بھڑکا دیتے، بغاوت کروا دیتے یا آزادی کا اعلان کروا دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے مطابق جب ساری باتیں پوری ہوئیں تو اب اُنھیں پیچھے کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا۔

چنانچہ سنہ ۲۶ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے عبدالرحمٰن بن سرحؓ کو افریقہ کی مہم پر مامور کر کے اُن کی مدد کے لیے فوج کا تازہ دستہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے اور آگے بڑھے۔ عبدالرحمٰن ابی سرحؓ نے وہاں پہنچ کر برقہ نامی مقام پر ابن نافعؓ سے ملاقات کی اور حالات معلوم کر لیے۔ اِسلامی لشکر طرابلیس کی جانب بڑھا تو رومی وہاں سے بھاگ گئے۔ کم بختوں کو بھاگ کر کسی اور جگہ جمع ہونے کے سوا آتا ہی کیا تھا۔ اِسلامی لشکر تمام نواحی علاقوں میں

بطورِ سرایہ پھیل گیا اور رومیوں کی رکاوٹ کو ہٹاتے ہوئے اطراف کی تمام بستیوں پر قبضہ کرلیا۔

حضرت عثمانؓ کو مسلم فوجوں کی ایک عرصہ تک کوئی خبر نہ ملی تو انھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سرکردگی میں ایک تازہ دم فوجی دستہ حالات معلوم کرنے اور ضرورت پر مدد کرنے کے لیے بھجوایا۔ اُسے دیکھ کر عبدالرحمٰن بن سرحؓ کے سپاہیوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو رومیوں نے پوچھا "ماجرا کیا ہے"؟ تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے خلیفہ کی طرف سے تازہ کمک آگئی ہے۔

دوسرے دِن عبدالرحمٰن بن زبیرؓ میدانِ جنگ میں اُترے تو عبدالرحمٰن بن سرحؓ کو وہاں نہ پایا۔ سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جرجر (والی طرابلس) نے اعلان کیا ہے کہ جو کوئی ابن سرحؓ کا سر لائے گا اُسے ایک لاکھ دینار انعام اور نکاح میں اس کی بیٹی دی جائے گی۔

یہ سُن کر عبدالرحمٰن بن زبیرؓ، عبداللہ بن سرحؓ کے پاس گئے اور کہا "تم بھی اعلان کردو" جو کوئی جرجر کا سر کاٹ لائے اُسے ایک لاکھ دینار نقد اور جرجر کی بیٹی اس کے نکاح میں دی جائے گی"

اِس اعلان پر جرجر کی فوج میں ایک کھلبلی مچی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس تیزی سے جرجر کی فوج میں گھس گئے کہ اُس کے سپاہی دیکھتے ہی رہ گئے۔ "یہ کون ہے اور کدھر سے آیا ہے" وہ سیدھے جرجر کے پاس ایسے ہی پہنچے جیسے تیر شکار کے پاس پہنچتا ہے' اُسے زمین پر گرایا اور اس کا سر کاٹ کر اپنی فوج میں لے آئے اور اعلان کے مطابق نقد انعام اور جرجر کی بیٹی کو حاصل کیا۔ اسے کہتے ہیں بے جگری اور ضرورت پر جان و جگر وارنا۔ اس جنگ کو "حزب العبادہ" کہتے ہیں کیوں کہ اِس میں پانچ عبداللہ شریک تھے۔ ۱۔ عبداللہ بن زبیرؓ ۲۔ عبداللہ بن سرحؓ۔ ۳۔ عبداللہ بن نافعؓ ۴۔ عبداللہ بن عمرؓ اور ۵۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ یہ سب قلب' میمنہ' میسرہ اور مقدمہ کے سردار تھے۔

طرابلیس کی فتح اور رومیوں کی کھلی شکست پر مدینے میں خوشیاں منائیں گئیں۔ خلیفہ نے سجدہ شکر بجالایا اور سپاہیوں نے بھی اللہ کی مدد پر اپنا سر جھکایا۔ مسلم فوجوں کا یہ شعار تھا کہ ہر کامیابی پر سجدہ شکر بجالاتے تھے۔ اور آگے بھی غیبی تائید کے طلبگار رہتے تھے اور ناکامی پر صبر و شکر بجالاتے اور اللہ کی مصلحت پر نظر

جمائے رہتے تھے اور اِصلاح کی طرف رجوع ہوتے جیسے اُن میں کوئی خامی ہے۔

امین! اب بتاؤ کہ ایسی کامیابیوں پر تمہاری کیا رائے ہے۔ اِسے دلیری کہو گے، بے جگری یا بے غرضی یا پھر اللہ کی تائید۔ میں تو کہوں گا۔ یہاں ہر بات سترادار ہے۔

کوہ میں دشت میں لے کر تیرا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے

فقط
تمہارا معینؔ

# سولہواں خط

پیارے امین! دُعا سلام۔

میرے پچھلے خط میں تم نے پڑھا تھا کہ آفریقہ کی فتح کا دروازہ کُھل گیا تھا۔ مُسلمانوں نے اِس سے پورہ پورہ فائدہ اُٹھایا۔ تم نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت کافی درخشاں اور شاندار رہا اور مُسلمان اللہ کی تائید سے ہر جگہ کامیاب رہے۔ اُن کو صرف دو ہی کام آتے تھے کافروں کو سرنگوں کرنا، اُن کے سامنے تن کر چلنا ۲۔ اللہ تعالےٰ کے سامنے اپنی بے مائگی کا اِظہار کرنا اور سر کو جھکا کر چلنا۔

فقط تیری محبّت میں مجھے دو کام آتے ہیں
جہاں رونے سے فرصت ہوگئی خاموش ہوجانا

یہ سُن کر تمہیں تعجّب ہوتا ہوگا کہ میدانِ جنگ میں غازی کسی کو پیٹھ دکھانا اپنے نام پر ایک دھبّہ سمجھتے تھے۔ اللہ کا نام لے کر جب آگے

بڑھتے تھے تو پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ اس کا اصلی بھید میں تمہیں بتاؤں۔ جب کوئی اللہ کے دین کو پھیلانے کے لئے سچّے دِل سے گھر بار چھوڑ کر نکل جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے ہو جاتے ہیں۔ اُس کی ہر بات مان لیتے ہیں اور ہر جگہ اپنی تائید سے اس کی مدد کرتے ہیں کسی سے مُسلمان کی دوستی یا دشمنی صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ اپنی ذات یا اپنی کوئی غرض وہاں نہیں ہوتی۔ اللہ پر بھروسہ کر کے جب ہم کوئی کام اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو وہ کام اللہ کا ہو جاتا ہے اور ہمارے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ کامیابی اور سرفرازی ہمارے قدم چومتی ہے شرط صرف یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسُولؐ کو اپنا لیں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عمرؓ سے اُن کی خلافت کے دور میں گذارش کی تھی "ہمیں قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت دیجئے" لکھا تھا "ہم اب قبرص سے اِتنے قریب ہیں کہ اُن کے کتوں کے بھونکنے اور مرغ بانگ دینے کی صدائیں ہمیں صاف سُنائی

دیتی ہے" حضرت عمرؓ نے انھیں اجازت نہ دی۔ بلکہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم دیا کہ حالات کا مطالعہ کرکے رپورٹ دیں' رپورٹ ملی" راستہ دشوار گزار ہے' عبور و مرور آسان نہیں۔" تب حضرت معاویہؓ چپ ہو گئے۔ البتہ بار بار کے اصرار پر حضرت عثمانؓ نے انھیں اجازت دیدی مگر شرط یہ رکھی کہ سپاہیوں کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ نہ کیا جائے بلکہ اُن کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ ویسا ہی کیا گیا۔ حضرت معاویہؓ نے دیکھتے دیکھتے قبرص کو زیر کرلیا اور شام کی علمداری میں شامل بھی کرلیا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ نے سارے ملکِ شام کے امیر بن گئے۔

بحری لڑائی حضرت عثمانؓ کے دور کی دین ہیں۔ پوری احتیاط کے بعد حالات کا از سرِ نو جائزہ لے کر حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو بحری جنگوں کی بھی اجازت دے دی۔ انھوں نے دو جہاز پورے ساز و سامان کے ساتھ تیار کروائے۔ ایک جہاز مصر میں حضرت عبداللہ بن سرحؓ کی نگرانی میں بنا' دوسرا ساحل شام پر تیار ہوا۔ مصر کے جہاز میں حضرت ابوذرؓ' ابوالدرداؓ' شداد بن اوسؓ عبادہ بن الصامتؓ اور اُن کی بیوی اُمّ حرامؓ بنت ملحان تھے۔ وہ دونوں جہاز قبرص کے

ساحل پر آملے۔ اِس بحری بیڑے نے سارے ساحلی علاقوں کو زیر کرلیا اور اُن سے سخت شرائط کے ساتھ صلح نامہ طے ہوا۔ اس کے بعد مُسلمانوں نے فارس اور خراساں کا رُخ کیا۔ قبرص کی فتح کے بعد رومیوں کی کمریں بالکل ٹوٹ گیں۔ اُن کی مکاری، عیاری اور سازباز کی پالیسی بالکل ہی ملیا میٹ ہوگئی۔ خشکی پر مسلمانوں کا بول بالا تو تھا ہی، اب ساحلی علاقوں میں بھی اُن کے خلاف نظر اُٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ رہا۔ اسی بحری بیڑے نے نہ صرف ساحلی علاقے زیر کر لیئے بلکہ اطراف کے تمام جزیرے بھی مسلمانوں کے قبضہ میں لے لئے۔ اب قیصرِ روم کا نام لیوا کوئی نہ رہا بلکہ یوں کہو کہ اُس کا نام و نشان ہی مٹ گیا۔ عیسائیت بے جان ہوگئی اور اِسلام کی پاک روح نے اِس مردہ علاقوں میں نئی جان ڈالدی۔

یہی وہ بحری لڑائیاں تھیں جن کے بارے میں حضرت رسول کریمؐ نے پیشن گوئی فرمائی تھی۔

ایک دن حضرت رسول اللہؐ اُمّ حرامؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے۔ آپ مُسکراتے ہوئے اچانک نیند سے بیدار ہوئے۔ بی بی رضؓ نے مُسکرانے کا سبب پوچھا تو فرمایا "میری اُمت کے لوگ سمندر

میں ایک جہاز پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ تختوں پر ایسے بیٹھے ہیں جیسے بادشاہ بیٹھتے ہیں" اور یہ بھی فرمایا کہ ایسوں کے لئے جنت واجبی ہے" تو بی بی نے گذارش کی "آپ میرے لئے بھی دُعا فرمائیے کہ میں اُن جماعت میں شریک رہوں" حضرتؐ نے دُعا فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا "قبرص کے نواحی جزیرے مُسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے"۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے دور میں یہ پیشن گوئی پوری ہوئی۔

اِسلامی فتوحات کا یہ سیلاب فارس اور خراساں کی سرحدوں تک پہنچ گیا۔ فارس کا علاقہ بہت بڑا تھا۔ اس میں بلوچستان، کردستان، آذربائیجان اور آرمینیا کے شمالی ضلعے شامل تھے۔ جو علاقے مرکز سے قریب تھے وہ پہلے ہی سے مُسلم علمداری میں آچکے تھے۔ اور وہاں مسلمانوں کی مضبوط حکومتیں قائم ہوچکی تھیں۔ وہ علاقے جو دُور تھے اور فاروقی دَور میں چھوٹ گئے تھے وہ عثمانی دور میں زیر کرلئے گئے تھے۔ اس طرح عثمانی دَور میں فارس کا پورا علاقہ (بلخ، سجستان اور بلغاریہ) مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا

کردی بدعہد اور بدنفس تھے اور بڑے مکّار بھی۔ انھوں نے

# تاثرات

از سید شاہ اعظم علی صاحب صوفی قادری ایم.کام' ایل.ایل.بی.سی.اے
تصوف کدہ کبوتر خانہ قدیم حسینی علم حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترم سید خواجہ معین الدین صاحب ایم.اے، بی.ایڈ ریٹائرڈ ہیڈماسٹر نے اپنی تصنیف باپ کے خطوط بیٹے کے نام "سیرت حضرت عثمان غنی رض" کا قلمی نسخہ مجھے اس خواہش کے ساتھ عنایت فرمایا کہ میں اس تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار کردوں۔ اس طور پر مجھے سیرتِ عثمانِ غنیؓ پڑھنے کا موقعہ ملا اور موصوف کے سلیس، عام فہم طرز تحریر اور نئے اسلوب نے ذہن اور قلب میں اچھا تاثر چھوڑا ہے۔

مصنف موصوف چونکہ محکمہ تعلیمات سے وابستہ رہے ہیں اور طویل عرصے تک درس و تدریس میں مصروف رہے ہیں اس لئے

حضرت عثمانؓ کے دور میں بغاوت کر دی تھی۔ اُن کو اپنے کئے کا مزہ چکھانے کے لئے ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا گیا۔ اُن کے سامانِ سفر پر پیادہ فوج کو اعتراض ہوا۔ یہ بات خلیفہ تک پہنچی تو ان کو بدل کر حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو جو خلیفہ کے ماموں زاد بھائی بھی تھے کردی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اِسلامی فوج نے کُردلوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو بغاوت خود بخود کچلی گئی۔ غازیوں نے جہاد کے شوق میں روس اور چین کی سرحدوں تک پیش قدمی کی اور مفتوحہ علاقوں میں ایسا بندوبست کیا کہ وہاں کے لوگ پھر سر نہ اُٹھا سکے۔

میرے اگلے خط میں اِنشاء اللہ ہندوستان میں مُسلمانوں کی آمد کا ذکر کروں گا۔ یہاں تم نے دیکھا کہ فوج کا سالار اپنے خورد و نوش اور آسائش کا سامان ساتھ رکھتا ہے اور جہاد کے لئے نکلتا ہے تو شکایت خلیفہ تک پہنچتی ہے اور خلیفہ بلا تامل ایسی بات پر توجہ دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی جنگ میں ایسا نہ ہوا تھا۔ حضرت رسول اللہؐ ہمیشہ غازیوں کے ساتھ چلتے تھے، اُن میں رہتے تھے۔ نبیؐ یا فوج کے سردار ہونے کی وجہ سے

کوئی خاص امتیاز برتا نہیں جاتا تھا۔ حضرتؓ نے اپنا کوئی علٰحدہ سامانِ سفر نہ رکھا۔ عثمانؓ نے سپہ سالار کو فوراً بدل دیا۔ اس میں بڑی دور اندیشی اور فوجی مصلحت تھی۔ اگر سردار اور سپاہی باہم ہم خیال نہ ہوں تو جذبۂ وفاداری و جانثاری کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور سپاہیوں میں ایک ایسی ذہنیت ابھرتی ہے جو اُن کی شکست یا بددلی کا باعث بن سکتی ہے

اب جب کہ فتوحات کی کثرت ہو گئی اور مال اور دولت بے حساب ملنے لگے تو سپاہیوں اور سرداروں کی روش میں تکلف پیدا ہونے لگا۔ وہ تکلف بھری زندگی گزارنے پر مائل ہونے لگے۔ دین کے فرائض میں کوتاہی اور کمزوری دکھائی دینے لگی۔ آج کے دور میں تم دیکھتے ہو کہ افسر سرکاری دورے پر نکلتا ہے تو اس کا کیا طمطراق ہوتا ہے۔

اسلام ایسی زندگی اور ایسی تفریق پسند نہیں کرتا۔ افسر قوم اور ملت کا بڑا خادم ہوتا ہے۔ وہ چھوٹے خادموں کی نگرانی اور وقت پڑنے پر اُن کی رہبری کرتا ہے۔ اس کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ اپنے لئے ایک چیز روا رکھے اور دوسرے کے لئے ناروا رکھے۔

آج بھی مسلم عہدہ داروں میں (حالانکہ ان کی تعداد اب نہ ہونے کے برابر ہے) ایسے بھی ہیں جو اپنے بزرگوں کے طور طریق پر چلتے ہیں۔ میں نے ایک مہتمم صاحب پولیس کو دیکھا ہے جو بڑی محنت اور لگن سے اس خدمت پر فائز ہوئے تھے۔ جب کبھی وہ دیہات کے دورے پر نکلتے تھے تو ایک ہاتھ میں رول کا ڈنڈا اور دوسرے ہاتھ میں سرکاری کاغذات لیے پیدل بھی چلا کرتے تھے۔ ماتحین آگے پیچھے بیٹھکر کاغذات لینے کی کوشش کرتے تھے تو انھیں منع کرتے تھے۔ بڑے پاک دل اور صاف کردار کے حامل تھے۔ حق اور انصاف کی بات موقعہ پر ہی طے ہو جاتی تھی۔ جس سے فریقین خوش ہوتے تھے اور ان کے دفتر کے چکر کاٹنے سے بچ جاتے تھے۔ وہ حیدرآباد کے سیویلین تھے۔ ایک اور صاحب کو میں نے دیکھا تھا جب اُن کے ماتحین بلا ڈریس سلوٹ بجا لاتے تھے اور جب وہ خود بھی پولیس ڈریس میں نہ ہوتے تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ ہمارے لئے سادہ سلام ہی کافی ہے۔ ہاں کوئی فارم میں ہم دونوں ہوں تو بات اور ہے"۔ دورے پر بھی اپنی کمائی کا کھاتے تھے۔

"اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر"

فقط

تمہارا معین۔

# سترھواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

پچھلے خط میں تم نے پڑھا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں مشرقی ساحلی علاقے اور آفریقہ کے کئی جزیرے مُسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہند میں مُسلمانوں کی آمد محمدؒ بن قاسم کے حملے سے شروع ہوئی مگر تاریخی مواد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ سے ہی اُن کی آمد شروع ہوگئی تھی، حملہ واروں کی حیثیت سے نہیں بلکہ تاجروں یا مبلغوں کی حیثیت سے۔ بعض مسلمانوں کے قدم سندھ اور جنوبی مغربی ساحل کے علاقوں پر پہنچ چکے تھے۔

جب اسلامی لشکر مکران پہنچا تو حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا کہ مُسلمانوں کی فوج وہیں رُکجائے۔ حکم کی تعمیل میں فوجیں رک تو گئیں مگر

مبلغ پہاڑی علاقوں کو عبور کر کے وادی سندھ میں پہنچ چکے تھے۔ جہاں کفر و شرک کا بازار گرم تھا۔ مسلمانوں کی تبلیغ سے وہاں اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ کئی مسلمان ہند کے حدود میں تاجروں کے طور پر آئے۔ ان کا آنا ایران کی فتح کے بعد سے شروع ہوا مگر فوجی اعتبار سے اُن کی آمد عمل درآمد حضرت عثمانؓ کے دور میں ہوئی۔ اس کا سہرا محمد بن قاسم کے سر ہے اس کی تفصیل یوں ہے۔

محمد بن قاسم ۱۸ سالہ ایک نوجوان عرب تھے۔ وہ چھ ہزار عرب اور شامی سپاہیوں کے کمان دار تھے۔ عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے انھیں سندھ کی مہم پہ مامور کیا تھا۔ چنانچہ وہ مکران اور کرمان سے گزر کر مقام ارمائیل پہنچے اور اُسے فتح کر لیا وہاں سے آگے بڑھ کر سندھ میں داخل ہوئے۔ ان کی فتوحات کا سلسلہ قنوج تک چلا۔ انھوں نے ملتان کو اپنا پایہ تخت بنایا، نگرانی کے لیے سردار عبدالملک کو وہاں چھوڑا۔

تم اِس تشویش میں پڑ گئے ہوں گے کہ مسلمان یکایک سندھ میں کیسے داخل ہو گئے۔ ہر کام کا ایک سبب ہوتا ہے۔ اِتنے بڑے واقعہ کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیئے۔ آؤ تمہیں وہ سبب بھی بتائے

دیتا ہوں۔

سنہ ۶۹۱ء میں عربوں نے ہرات اور افغانستان فتح کر کے سندھ کے قریب پہنچے اور وہیں قیام کیا۔ موقع پاکر راجہ داہر کے سپاہیوں نے مسلمانوں کے چند جہازوں کو لوٹ لیا اور پچاس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مسلمانوں پر ہلہ بول دیا۔ یہی واقعہ سندھ پر حملہ کا سبب بنا۔ اس طرح اُن کی مدبھیڑ وہاں کے راجہ سے ہوئی۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کی فوج پر پئے بہ پئے کئی حملے کئے لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اسی حال میں کئی دِن گزر گئے۔ راجہ داہر بھی زچ ہوگیا۔ ایک دن وہ ہاتھی پر سوار ہوکر میدان میں آیا۔ اور مسلمانوں پر بے دھڑک حملے کر دیئے۔ کئی عرب شہید ہوئے اور کئی زخمی ہوگئے۔ ادھر پچاس ہزار سپاہی اور اِدھر صرف چھ ہزار مجاہد۔ بدقسمتی سے مسلمان مجاہد اُن کے نرغے میں آگئے۔ صورتحال مایوسی میں بدل گئی۔ تب ایک قریشی سپاہی شوقِ شہادت میں دیوانہ وار آگے بڑھا اور دشمن کے جمِ غفیر کو چیرتے ہوئے راجہ داہر تک پہنچ گیا اور اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔ راجہ داہر کا قتل کیا ہوا، ایک کہرام مچ گیا۔ اُس کے سپاہیوں میں جس کو جدھر کی

سو بھی ادھر کا رُخ کیا۔ میدان مُسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بڑے خون خرابے کے بعد سندھ فتح ہوا۔ جب ذرا سکون ہوا تو تین دِن کے بعد محمد بن قاسم نے وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ وہاں تقریباً ۴ ہزار سپاہی آباد ہوئے۔ جب یہ خبر عراق پہنچی تو مسلمانوں کی آمد کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ اُن میں زراعت پیشہ، دست کار، مختلف پیشوں اور حرفوں کے لوگ شامل تھے۔ مالِ غنیمت میں زر و جواہرات کے ساتھ مویشی بھی آئے۔ تب ہی سے ہندوستان میں گوشت اور چمڑے کی تجارت زور پکڑی۔ اب تو مسلمان ہندوستان میں مسلسل آتے رہے۔ مسلم سپاہیوں نے کابل اور زابلستان بھی فتح کر لیا، پھر طبرستان فتح کر کے اہلِ حرم جان کی بیخ کنی کر دی۔ کردیوں کی بار بار کی بغاوت بھی سر کا درد بنی ہوئی تھی۔ اس کی روک تھام کے لئے حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو روانہ کیا تھا۔ انھوں نے بڑی حکمت عملی سے کردیوں کی کمر کچھ اِس طرح توڑی کہ وہ آگے باغیانہ خیال کے لئے کھڑے نہ ہو سکے۔ یزدجرد کے قتل کے بعد تو یہ قصہ ہی ختم ہو گیا۔

میرے اگلے خط میں مملکتِ اسلامی میں بدلتے ہوئے حالات

کا ایک سرسری خاکہ دیکھو گے۔

امین! تم دیکھتے آرہے ہو کہ مسلمانوں کی کامیابی کبھی کثرت کے بل بوتے نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ قلت میں رہے مگر کثرت پر چھا گئے بدر کی جنگ سے لے کر سندھ کی جنگ تک کئی غزوات ہوئے، سریے ہوئے، چھاپے ہوئیں، باضابطہ لڑائیاں لڑی گئیں۔ معمولی قبیلوں کے سرداروں سے لے کر بڑی بڑی سلطنتوں کے شہنشاہوں سے آمنا سامنا ہوا، غازیوں نے دھوپ دیکھی نہ چھاؤں، دن دیکھا اور نہ رات، بھوک دیکھی نہ پیاس، جنگل دیکھے نہ پہاڑ، وادیاں دیکھی نہ گھاٹی نہ میدان، سمندروں کو خاطر میں لایا اور نہ ریگستانوں کو، تیز رو دریاؤں میں گھوڑے ڈال دیئے اور کندھوں سے کندھے جوڑ کر باتیں کرتے ہوئے دریاؤں کو پار کیا۔ گویا کوئی غیر معمولی بات ہی نہ تھی۔ اور دیکھنے والوں نے انھیں کہا کہ "یہ انسان نہیں دیو ہیں"۔ دلہنیں اپنے دولہوں سے کہتی تھیں "جاؤ جہاد کا نعرہ بلند ہوا ہے پہلے وہاں لبیک کہو، شب عروسی کے آگے بہت سے موقعے ہیں"۔ دولہوں کو غسل کرنے کی مہلت نہیں ملتی اسی حال میں جنگ کے میدان میں گود پڑتے اور اسی حال میں شہید ہوتے۔ تب حضرت رسولؐ کا ارشاد ہوتا ہے

"فرشتے میت کو غسل دے رہے ہیں۔ تلوار ہیں لیکن دستوں کی جگہ چیتھڑے لپٹے ہوئے۔ گھوڑے میں نوزین نہیں، لگام ہے تو رکاب نہیں۔ غازیوں کی بے سروسامانی کا یہ عالم کہ حضرت نبیؐ نے صحابہ کو ترغیب دی تو ہر ایک نے حسبِ حیثیت چندے میں شرکت کی کسی نے گھر کی نصف دولت پیش کی تو کوئی سارا مال و متاع پیش کیا۔ کوئی فوجیوں کی ضرورتوں کو اپنے ذمے لے رہا ہے تو کوئی دینار و درہم کی تھیلیاں خدمت میں پیش کر رہا ہے اور حضرت نبیؐ انھیں اچھال اچھال کر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔

تم صاحبِ سمجھ ہو، حالات کے اونچ نیچ کو سمجھ سکتے ہو اور غور کر سکتے ہو، بتا سکتے ہو کہ وہ کون تھے، کیسے تھے اور کیوں تھے اور آج ہم کون ہیں کیسے ہیں اور کیوں ہیں۔ یقیناً علامہ اقبال نے ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا تھا ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ورنہ قلت، بے مائگی، بے سروسامانی، بے وطنی کے باوجود انھوں نے ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ آج وہ بات کیوں نہیں ہے ساری

موصوف نے اس راست طرز تخاطب اور دِل نشین انداز کو اپنایا ہے اور اپنے صاحبزادے کے نام خطوط کی صورت میں خلیفہ سوم کی سیرت کو قلمبند کرنے کی سعادت حاصِل کی ہے۔ موصوف کا اسلوب دلکش اور دلچسپ ہے، سادہ اور عام فہم ہے۔ موصوف کی یہ پہلی کوشش نہیں ہے بلکہ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس سے پہلے بھی اسی طرز و انداز میں آپ کی (۵) تصانیف شائع ہو کر سندِ قبولیت حاصِل کر چکی ہیں۔

آج کل کے حالات اور زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ صحابہ کرام اور صحابیات کی زندگیوں کو مسلمانوں کے سامنے رکھنا ایک اہم ترین ضرورت اور ذمہ داری ہے (۱۴۰۰) سال سے یہ زندگیاں دُنیائے اِنسانیت کے لئے مشعلِ راہ رہی ہیں۔ اور قیامت تک رہیں گی۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جنھوں نے حضرت سرکارِ دو عالمؐ کا زمانہ پایا، آپؐ کے چہرۂ انور کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور اُسی حال میں دُنیا سے رخصت ہوئے، جنھوں نے راست حضرت رسول اللہؐ کی زبانِ مُبارک سے احکامِ الٰہیہ کو سنا، سمجھا اور ان احکام کو اور آپؐ کے افعال، اعمال کو آنے

دُنیا میں آج مُسلمان ذلیل و خوار ہیں۔ اِیسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان ہیں ہی نہیں۔ کیا اللہ نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ یا انھوں نے اللہ کو چھوڑ دیا ہے۔ تم بھی اس نقطے پر غور کرو۔ اور کبھی فرصت سے مجھے اس حالتِ زار کا سبب اپنی سمجھ کے مطابق لکھو کہ ہم پچھلے دِن دیکھ بھی سکیں گے یا نہیں۔

فقط

تمہارا معین

# آٹھارہواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

حضرت عثمانؓ کی سیرت اور سوانح کے تعلق سے میں نے آج تک تمہیں وقفے وقفے سے سترہ خط لکھے، بڑے اطمینان اور خوشی کیساتھ لکھے، اُن کا نام اور نسب لکھا، اُن کی ابتدائی زندگی لکھی۔ تجارت کا حال لکھا۔ اللہ اور رسُولؐ پر ایمان لانا لکھا، اُن کی شادیوں کا ذکر کیا، ذوالنورین اور ذی الہجرتین کی وضاحت کر دی۔ حضرت رسولؐ کے ساتھ جنگوں میں شرکت، فوجیوں کی مدد اور دوسری باتیں کھول کھول کر لکھ دیں۔ اور بڑے شوق سے لکھتا رہا اور فخر کے ساتھ لکھتا رہا۔ آپؓ کا خلیفہ چُنا جانا، جنگوں میں کامیابی، اِسلامی سرحدوں کا پھیلاؤ ــــ یہ ساری باتیں مزے لے لے کر لکھیں اور یہ بھی بتایا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد کسی خلیفہ یا مُسلمان بادشاہ نے اُن

حدوں میں ایک اِنچ کا اضافہ نہ کیا۔ اُن کی ایمان کی پختگی، حضرت رسولؐ پر جانثاری، اُمت پر شفقت و مہربانی، ہمدردی، اُس کے ساتھ دریادلی اور اُن کی مثالی حیاداری، یہ ساری باتیں لکھیں اور اب یاد نہیں آرہا ہے کہ اور کیا کیا لکھا تھا۔

اب اگلے خطوں میں حضرت کی سیرت اور سوانح کا دوسرا پہلو تمہارے سامنے آئے گا۔ اُس کو لکھتے ہوئے مجھے دُکھ ہوتا ہے۔ تم پوچھو گے کہ دُکھ کی کون سی بات ہے۔ انھیں پڑھ کر تمہیں خود اندازہ ہوجائے گا کہ اس میں ایسی کیا بات ہے۔

فتنہ (جس کو باری تعالےٰ نے قتل سے بھی زیادہ سخت اور بزرگوں کے قول کے مطابق فتنہ سو قتل سے بھی بدتر ہے) فساد، سازش، شرارت روگ ایسے ہیں جو انسان کی خوشحالی کو چاٹ جاتے ہیں۔ فتنہ اور فساد پھر بھی کھُل کر سامنے آسکتے ہیں لیکن سازش ایسا پلید روگ ہے کہ اُس کے جال میں پوری طرح جکڑے جانے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے شکار ہوگئے۔ فتنہ انسان کا ازلی دُشمن ہے۔ اُس کا جنم اُسی وقت سے پہلے ہوا جب کہ انسان کی پیدائش عمل میں آئی۔ ان کا باپ شیطان ہے۔

جو حضرت آدم کا ازلی دشمن ہے۔ فتنہ اور فساد اُس کے دو ہاتھ ہیں بڑے لمبے اور مضبوط۔ اُسی نے حضرت آدم علیہ السّلام کو جنّت سے نکلوایا اور بی بی حوّا کو اپنے شوہر سے چھڑایا اور آج تک بھی انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اُس کو کسی نہ کسی طرح پھانس ہی لیتا ہے شر، فساد، فتنے کے ماحصل ہیں مگر سازش اِن تینوں سے الگ ہے اور اپنا ایک علٰحدہ وجود رکھتی ہے۔ دیکھنے میں یہ چار لفظی لفظ ہے لیکن یہ مرکب ہے دغا، جھوٹ، فریب، دھوکہ، ریا، موقع پرستی، چغلی، بغض، حسد، بدخواہی، احسان فراموشی، محسن کشی، دولت کا دشمنی، چوری، قصے گھڑنا، ظاہرداری، گڑھے کھودنا اور جڑیں کاٹنا۔ غرض ایک بُرائی ہو تو گناؤں۔ دنیا میں جتنی بُرائیاں ہو سکتی ہیں جب ایک جگہ گوندھی جاتی ہیں تو ایک سازش جنم لیتی ہے ایک سازش کو ہٹانا یا مٹانا ہو تو کتنی برائیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے تم ہی جانو اور تم اچھے خاصے پڑھے لکھے ہو، مجھے اُمید ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں ذیل کی حقیقت کو بڑی آسانی سے سمجھ سکو گے۔

راتوں میں تمہیں کوئی کتاب پڑھنی ہو تو تم چراغ۔

بہت قریب بیٹھ جاتے ہو اور اس کی روشنی میں بڑی آسانی سے اس کی عبارت پڑھ لیتے ہو۔ اب چراغ سے تھوڑا دور ہو کر پڑھو تو محسوس کرو گے حرف صاف دکھائی نہیں دیتے یا مدھم ہو جاتے ہیں۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے یہ دوری اور بڑھاؤ تو ایک حد ایسی آئے گی کہ کتاب تو تمہارے ہاتھ میں ہے لیکن حرف قطعاً نظر نہیں آتے گویا تم انھیں قطعاً پڑھ ہی نہ سکو گے۔ یہی حال آواز کا بھی ہے اس کے مبدے سے جتنی دور ہوتے جاؤ گے آواز مدھم ہوتی جائے گی اور ایک حد ایسی آئے گی کہ تم کچھ سُن نہ پاؤ گے۔ حالانکہ نوریا آواز کا مبدا اپنی جگہ کام کر رہا ہے اور اسی حدت اور سے آواز پھینک رہا ہے مگر مبدا سے دوری اور رقبہ کے پھیلاؤ کی وجہ سے نوریا آواز کی شدت کہو یا حدت کمزور ہوتے ہوتے صفر کے برابر ہوتی ہے۔ تاثیر یا اثر پذیری بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ پانی کی ایک مقررہ مقدار کو ایک گلاس میں ڈالو پانی کی گہرائی زیادہ نظر آتی ہے۔ اسی پانی کو ایک لگن میں ڈالو تو اس کی گہرائی تقریباً صفر ہو جاتی ہے۔

یہی حال امتِ مسلمہ کا ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں

مقبوضہ علاقوں کا رقبہ اتنا بڑھا اور پھیل گیا کہ ایمان کی حدت یا اثر پذیری کم ہوگئی۔ تقویٰ کا درجہ گھٹ گیا۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ جنگوں میں کامیابی نے دولت کی فراوانی عطا کی۔ گھر بیٹھے کھانے پینے کو اچھا ملتا جائے گا تو محنت کی طرف کس کا دل جھکے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیش پسندی بڑھ گئی طبیعت میں سستی اور آرام طلبی آگئی، جہاد کی اسپرٹ ختم ہوتی گئی۔ حضرت رسولؐ کی ذات سے براہ راست تربیت پائے ہوئے صحابہ یا تو جنگوں میں شہید ہو گئے یا انتقال کر گئے یا پھر ہاتھ پاؤں عقل و ہوش اتنے کمزور ہو گئے کہ ان میں الگ تھلگ بیٹھے رہنے یا آرام لینے کا خیال بڑھ گیا۔ چنانچہ مسلمان عربوں کی نئی نسل میں ایرانیت آگئی، آگئی، خود بینی آگئی۔ رہن سہن وضع قطع، پہناوا — ساری چیزیں بدل گئی۔ فقیرانہ زندگی امیرانہ زندگی کا روپ اختیار کر گئی۔ اس لئے حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا "مسلمانوں! مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے اتنا ڈر نہیں جتنا تمہاری فراغت اور دولت مندی سے ہے"۔ چنانچہ بعض بزرگ صحابہؓ اس زمانے کی دولت اور عیش کے سامان دیکھ کر بے حد رنجیدہ ہوئے اور فرمایا "اب مسلمانوں میں دنیاداری

اور شک و حسد کا دور آگیا" کیوں کہ حضرت عثمانؓ کے دور کے جنگی کامیابیوں کا سلسلہ، مالِ غنیمت اور وظیفوں کی زیادتی، زراعت اور تجارت کی ترقی اور حکومت کے اچھے انتظام کا عوام نے کچھ الٹا اثر لیا۔ وہ مثل پوری ہوئی "احدی کا دماغ شیطان کا کارخانہ بن جاتا ہے"۔ چونکہ مرکز ابھی طاقتور تھا اس لئے عوام زیادہ حل چل نہ کر سکے مگر نفرت اور سازشوں کا جال پھیلانے میں کامیاب ہوتے رہے مدینہ بھی اس زہر سے محفوظ نہ رہ سکا۔

بزرگ صحابہ مدینہ چھوڑ کر دور دور مقامات پر جانے لگے تو وہاں جاہل اور کم عقیدہ لوگ اُن کے اطراف جمع ہونے لگے۔ اس طرح گروہ بندی اور پارٹی بازیاں شروع ہونے لگیں اور ملّت کا مثالی ملاپ اور اتحاد متاثر ہونے لگا۔ نیز دوسرے مقامات پر جائیدادوں کی خرید یا تبادلہ سے بھی ملکیت کے نئے نئے مسئلے کھڑے ہونے لگے

نئی نسل میں لونڈیاں، باندیاں اور ان کی اولاد جو عربی سے ناواقف تھی مفتوح باشندوں کی اولاد جن کے دل ابھی انتقام کے جذبے سے خالی نہ ہوئے تھے چونکہ وہ طاقت کا مقابلہ طاقت

سے نہ کر سکتی تھی، ان سازشوں کی طرف جھکنے لگی۔ اُن کی آنکھوں میں نہ بصارت تھی اور نہ دِل میں بصیرت، اِسلئے وہ آسانی سے سازشوں کا شکار ہونے لگی۔

یہودی مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اُن کی دشمنی ازلی تھی وہ موقعہ پرستی سے کام لینے لگے۔ اُن (ذمّی رعایا) کے ساتھ حق اور اِنصاف اور مساوات کے سلوک کے باوجود اُن کے دِل پوری طرح پاک نہ ہوئے تھے۔ ظاہرہ مسلم دوست اور باطن میں مسلم دشمن بنے رہے۔ عصبیت اور قومیت پھر سے سر اٹھانے لگی جسے مسلمانوں نے پوری قوت سے کچل دیا تھا۔

"بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" کے مصداق، اُن ہی دنوں میں عبداللہ بن سبا نامی ایک نو مسلم یہودی نکل آیا۔ اس نے دولت کے لالچ میں اِسلام قبول کیا تھا۔ وہ منافق اور مکار تھا۔ اس کا دِل اِیمان کے نور سے بالکل خالی تھا۔ وہ یہودی ہی تو تھا بڑا بدفطرت اور بدنفس اور سازشوں کا پرکالہ، حضرت عثمانؓ اور اُن کے عمال کے خلاف سازشیں پھیلانا شروع کیا۔ اس نے ایک جماعت بنائی اور بڑی آسانی سے اُن تمام لوگوں

کو جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے اپنے فریب کے جال میں پھانس لیا۔ اور اُن سب کا سرگروہ بن گیا۔ اس کی جماعت اندر ہی اندر ملک میں پھیل گئی۔ اس جماعت نے خطوط بازی کے ذریعے ایک علاقے کے لوگوں کو دوسرے علاقے کے لوگوں سے بدظن کرا دیا۔ ان کے خلاف جھوٹے الزامات تراشنا اور رعایا کو بغاوت کے لئے اکسانا شروع کیا۔ شریف اور نیک نفس لوگوں نے اس کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر خلیفہ کو لکھا تو خلیفہ نے تحقیقاتی جماعت بنائی اور اُسے ملک میں پھر کر صحیح حالات کی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا۔ اس جماعت نے رپورٹ پیش کی "سارے خطوط غلط اور جھوٹے اور حقیقت سے دور ہیں۔ ملک میں امن و امان ہے اور افراتفری کے کوئی آثار نظر نہیں آتے"۔ البتہ انھوں نے چند شریر لوگوں کی نشاندہی کی جو درپردہ حکومت کے خلاف سازشی جال پھیلا رہے تھے اور فتنے کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ "اگر ان کا سر نہ کچلا جائے اور انھیں قرار واقعی سزا نہ دی جائے تو ملک میں بے چینی پھیل جائے گی"۔

چنانچہ ان شریروں کو سزا کے طور پر جلاوطن کیا گیا۔

یا انھیں دور دور پھینک کر ملک بدر کیا گیا۔ اِس عمل سے بدمعاشوں کی اور بن آئی اور انھیں موقعہ ملا کہ جو آگ ایک جگہ سُلگ رہی تھی وہ دوسرے مقاموں پر بھی پھیلا دی اور کُھلم کھلا بدی پر اُتر آئے اور عمال کو نشانہ بنانا شروع کیا۔ حضرت خلیفہ پر اِلزام لگایا کہ وہ سلطنت کے کاموں سے کوتاہی برت رہے ہیں۔ حضرت خلیفہ نے اِصلاح کی کوشش فرمائی مگر بات بہت آگے بڑھ چکی تھی۔ اب تو حضرت خلیفہ کی مخالفت کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ گندے برتن میں دودھ جیسی پاک و صاف چیز ڈالو تو وہ بھی گندہ ہو جائے گی اس میں دودھ کا کیا قصور ہے۔ اِس لئے ان بد دماغوں کو اِصلاح، نیکی اور سچائی جیسی باتیں بھی کھلنے لگیں۔ انھیں نیکی کی طرف رجوع نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔ حج کے بہانے ملک کے گوشے گوشے سے فسادیوں کی ٹولیاں نکلیں اور ایک جا ہوئیں اور مدینے پہنچ کر مطالبہ کیا کہ خلیفہ خلافت چھوڑ دیں حضرت علیؓ کو اس بدنظمی کی روک تھام کے لئے بھیجا گیا۔ وہ گئے اور فسادیوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ فسادیوں کا پہلے سے سوچا سمجھا پلان تھا۔ چند منزلیں طے کر کے پھر لوٹے اور کہا "ہم نے خلیفہ کے قاصد کو راستے میں پکڑ لیا ہے، وہ مصر جا رہا تھا"

والی نسلوں تک پہنچایا۔ صحابہ کرامؓ نے محبتِ رسولؐ، اتباعِ رسولؐ اور اطاعتِ رسولؐ کے راستے میں ایثار اور قربانی کے عملی نمونے اپنی زندگیوں میں پیش کئے جن سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ ارشادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "لوگو! میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں" ان ستاروں سے روشنی حاصل کی جاتی رہی ہے، اور قیامت تک کی جاتی رہے گی۔ یہ وہ ستارے ہیں جن کی روشنی میں ملت اسلامیہ اپنی منزلِ مقصود اور اس کا راستہ معین کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے مولوی خواجہ معین الدین صاحب کی یہ کوشش خصوصی طور پر خلفائے راشدینؓ کی حیات اور سیرت کو جو سلیس، اچھوتے اور دلنشین انداز میں ہے یقیناً قابلِ تحسین اور قابلِ قدر ہے۔

حضرت عثمانِ غنیؓ کی سیرتِ مبارک کے مختلف گوشوں کو موصوف نے بڑی منفرد کاوش سے یکجا کر دیا ہے۔ آپؓ کے حالات اور واقعات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شانِ استقامت و عزیمت کیا ہے، شیوۂ تسلیم و رضا کیا ہے۔ اور مقامِ فقر اور عشقِ رسولؐ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

وہ مصر کے عامل کے نام خلیفہ کا خط لے جا رہا تھا کہ "ہم جوں ہی وہاں پہنچیں ہمیں قتل کر دیا جائے۔" حالانکہ وہ خط جھوٹا اور من گھڑت تھا، خلیفہ کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ خلیفہ نے قسم کھا کر فرمایا "میں لاعلم ہوں، یہ خط میں نے نہیں بھجوایا ہے۔" اور اللہ اور رسولؐ کے منکر، منافق اور موقعہ کی تاک میں رہنے والے سچی بات کو کیا مانتے، لوگوں نے ہزار بار سمجھایا مگر کتے کی دُم ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہی، وہ آگے بڑھے اور خلیفہ سے ملنے والوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا لوگوں کو خلیفہ سے ملنے نہ دیا اور خلیفہ کی بات بھی نہ سنی۔ حتیٰ کہ اُن پر کھانا پانی بھی بند کر دیا۔ لوگ دیکھتے جا رہے تھے اور سُنتے جا رہے تھے۔ مدینہ بھی سازش کی زد میں آگیا تھا۔ ہر شخص اپنا دامن بچانے کی فکر میں پڑ گیا۔ حج کا زمانہ تھا۔ کئی بزرگ حضرات مکے کا رُخ کر چکے تھے۔ اور جو رہ گئے تھے انھوں نے پہرے اور جنگ کے ذریعہ جان و مال کی حفاظت کا پیش کش کیا۔ اور بھلائی چاہنے کا ثبوت دیا۔ حضرت علیؓ باغیوں کو سمجھا سمجھا کے تنگ آچکے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو بدامنی سے بچنے یا اپنا عدم تعلق ظاہر کرنے اپنے اپنے گھروں میں ٹھہرے رہے۔ مگر سبھی

ان فسادیوں سے بیزار تھے۔ بعضوں نے کھلی جنگ کے ذریعہ بغاوت کو کچلنے کی اجازت حضرتؓ سے مانگی۔ حضرت معاویہؓ نے حفاظتی فوجی دستہ بھیجنا چاہا، کسی نے مکہ تشریف لے جانے کا مشورہ دیا۔ یا ملک شام چلے جانے کی تجویز رکھی مگر خلیفہؓ نے ہر ایک کو نفی میں جواب دیا۔ وہ حضرت رسولؐ کی دہلیز چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، مکے اور مدینے کو "دارالاماں" (امن کا گھر) کے بجائے "دارالحرب" (جنگ کا گھر) بنانا نہیں چاہتے تھے اور اپنے لئے دوسروں کا خون بہانا انھیں پسند نہ تھا۔ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ خلیفہ مدینہ چھوڑ دیں تو اسلام کی مرکزیت ختم ہو جائے گی۔ باغیوں کو حضرت علیؓ اور دیگر بزرگوں نے پھر سمجھایا۔ وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ تو حضرت علیؓ نے زچ ہو کر اپنا سیاہ عمامہ زمین پر دے مارا اور گھر کی راہ لی۔ خلیفہ نے بھی وعظ اور تلقین کے ذریعہ اور اسلام کے لئے اُن کی پچھلی خدمات کا حوالہ دے کر سمجھایا اور اصلاح کی ایک اور کوشش کی۔ مگر باغی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو خلیفہ کے دروازے پر پہرے کے لئے ٹھہرایا حالات میں کسی قسم کی بہتری نہ ہوئی تو حضرت خلیفہ نے بھی صاف

کہدیا " جو خلعت مجھے عوام نے عطا کی تھی اُسے میں اپنے طور پر اُتار نہیں سکتا" یہ کہہ کر شہادت کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

امین! خط بہت لمبا ہو گیا ہے۔ اِس کے بعد کیا واقعات پیش ہوئے اُن کا ذکر میں اپنے اگلے خط میں کروں گا۔ انشاءاللہ۔

فقط

تمہارا معین

# انیسواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

تمہیں یاد ہے کہ میں نے پچھلے خط میں حضرت عثمانؓ کی شہادت سے متعلق ایک جملہ لکھا تھا "وہ شہادت کی تیاری میں مصروف ہو گئے" کیونکہ بلوائیوں کے تیور دیکھ کر انھیں یقین ہو گیا تھا کہ "اب شہادت ہی آخری مرحلہ ہے"۔ حضرت رسولؐ کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمانؓ کو یقین تھا کہ شہادت مقدر ہو چکی ہے۔ آپؐ نے کئی دفعہ حضرت عثمانؓ کو باخبر کیا تھا کہ اور تلقین فرمائی تھی کہ صبر و استقلال سے کام لیں۔ حضرت عثمانؓ اس ہدایت پر قائم رہے۔ انھوں نے مجمع عام کو مخاطب کر کے پوچھا تھا "تم کو قسم دیتا ہوں، تم میں سے کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسولؐ حرا کی پہاڑ پر چڑھے تھے تو پہاڑی ہلنے لگی، تب سرکارؐ نے پہاڑی کو ٹھوکر لگا کر فرمایا، اے حرا ذرا ٹھہر جا، تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبیؐ، ایک صدیقؓ

اور ایک شہید ہے"۔ (اس وقت حضرت رسولؐ کے ساتھ پہاڑی پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ تھے) تو انھوں نے کہا "ہاں یاد ہے"۔ حضرت عثمان نے بلوائیں سے بہت سی باتیں پوچھیں سب کے جواب میں "ہاں! ہاں! کہتے رہے۔ مگر آپس میں یہ بھی کہتے رہے "موقعہ کہیں ہاتھ سے نکل نہ جائے، لوگ حج سے واپس ہو رہے ہیں۔ ہمیں جلدی کرنا ہے"۔ یہ باتیں حضرتؓ نے اُن کی زبان سے سنیں اور سمجھ گئے کہ باغی اپنے ارادے سے باز نہ آئیں گے۔ اس لئے ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے۔

وہ جمعہ کا دن تھا (۳۵ھ) آپ روزے سے تھے۔ اُس رات خواب میں دیکھا تھا "سرکارِ دو عالمؐ، حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے اور کچھ ارشاد فرما رہے تھے۔ "عثمانؓ جلدی کرو، ہم تمہارے افطار کے منتظر ہیں"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت نبیؐ نے فرمایا "آج جمعہ کا دن ہے تمہیں نماز میرے ساتھ ادا کرنا ہے"۔ حاضرین کو حضرت عثمانؓ نے خواب کا حال سنایا۔ حرم محترم سے بھی فرمایا "اب میری شہادت کا وقت قریب آگیا ہے، باغی مجھے قتل کر دیں گے" پھر

پائجامہ طلب فرمایا جس کو اس سے قبل کبھی نہیں پہنا تھا (اب بے ستری کا ڈر لگا ہوا تھا) گھر پر (۲۰) غلام تھے۔ انھیں آزاد کیا اور قرآن پڑھنے میں لگ گئے۔

باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا۔ اُن میں چار باغی دیوار پھاند کر گھر کی چھت پر سے مکان کے اندر اُتر گئے، سبھوں نے کچھ نہ کچھ بے ادبی کی۔ کسی نے لوہے کی سلاخ سے پیشانی مبارک پر وار کیا تو آپ ایک بازو پر گر پڑے۔ دوسرے بدبخت نے ایک وار کیا تو سر سے خون بہنے لگا۔ کوئی بڑھ کر سینے پر سوار ہوا اور تیر کی نوک سے نو زخم کئے۔ کسی نے تلوار سے حملہ کیا۔ محترم بی بی نائلہؓ مدافعت کے لئے آگے بڑھیں تو اُن کی تین انگلیاں کٹ کر جھڑ گئیں۔ آپ کی زبان پر "بسم اللہ توکلت علی اللہ" کے الفاظ جاری تھے۔ پے بہ پے تلوار کے وار جو لگے تو شمع حیات بجھ گئی۔

ان للہ وان الیہ راجعون

"اس بے کسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی و سماوی نے اس خون ناحق پر آنسو بہائے، کارکنان قضا و قدر نے کہا" جو خون آشام تلوار آج بے نیام ہوتی ہے

وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا۔"

میں نے تم سے ابھی کہا تھا کہ حضرتؓ قرآن پڑھنے میں لگ گئے۔ شہادت کے وقت قرآن سامنے کھلا تھا۔ جس آیت پر آپؓ کی انگلی تھی وہ ہے

"فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"

اور اس صفحے پر خون کے دھبے بھی لگ گئے تھے۔ (کہا جاتا ہے کہ وہی قرآن آج مصر کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔)

لکھا ہے کہ عصر کے وقت شہادت عمل میں آئی۔ دو دن تک لاش وہیں پڑی رہی۔ باغیوں کا بول بالا تھا۔ حضرتؓ کو علانیہ دفن کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ ہفتہ کے روز، رات کی تاریکی میں ۱۶ (بہ روایت دیگرے صرف پانچ حضرات شریک تھے جن میں ایک خاتون زوجہ محترمہ جو رات کی تاریکی میں شرکاء کو چراغ دکھا رہی تھیں) صحابہ نے نمازِ جنازہ پڑھی، غسلِ میت نہ ہوا۔ اسی لباس میں اسلامی مملکت کے سربراہ، حلیم و بردبار، صابر و شاکر، ذوالنورین کو سپردِ خاک

کیا گیا۔ صحابہ کرام اور عام مسلمان اِس بے بسی کی موت پر غمگین ہوئے باغی اور سبائی بھی اس حرکت پر نادم ہوئے اور انجام کار کی سوچ میں پڑ گئے۔ دشمن اپنے مقصد میں کامیاب تو ہوئے مگر متحدہ ملتِ اِسلامیہ کو سنی، شیعہ، خارجی اور چھوٹے بڑے خانوں میں بانٹ دیا اور یہ فرق قیامت تک قائم رہے گا۔ غرض یہ جس نے بھی سنی سنی اس نے افسوس کیا۔ اور مسلمانوں کی بدبختی پر آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر جو چیز مقدر ہو چکی تھی وہ ہو کے رہی۔

امین! اب تم مجھے بتاؤ کہ کیا لکھوں اور کیا لکھ سکتا ہوں۔ سوائے افسوس کے کس چیز کا اِظہار کروں۔ حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حسنؓ کو دروازے پر کھڑا کیا تھا۔ وہ بھی زخمی ہو گئے تھے۔ چار شخص جو چھت پر چڑھ کر مکان کے اندر داخل ہوئے وہ تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابوبکر جو حضرت عثمانؓ سے کسی عہدہ کی امید رکھتے تھے انھیں وہ عہدہ نہ مل سکا تو حضرتؓ کے جانی دشمن بن گئے اور سب سے پہلے انھوں نے ہی بڑی گستاخی کی۔ دوسرا تھا کنانہ بن بشر جس نے آگے بڑھ کر لوہے کی سلاخ سے پیشانی مبارک پر

وار کیا تھا۔ تیسرا شخص تھا سوان بن حمران مرادی جس کے وار سے خون کا فوارہ چھوٹا۔ ایک اور بدبخت تھا عمرو بن الحمق جس نے آپ کے سینے پر سوار ہو کر تیر کی نوک سے نو زخم لگائے تھے۔ چوتھے کا نام غالباً غانکی بن حرب عکی تھا۔ جس نے تلوار سے حضرتؓ کی شمع حیات بجھا دی۔

اس موقع پر مجھے بیعت رضوان کا واقعہ یاد آیا جو نہ صرف ایک تاریخی حقیقت ہے بلکہ باریک نکتہ بھی ہے جو سمجھنے کے لائق ہے حضرت عثمانؓ کی شہادت ۶ سنہ ہجری کی نسبت محض ایک افواہ تھی اور بے اصل خبر تھی۔ اللہ کو علم تھا حضرت عثمان مکے میں زندہ تھے اور صحیح و سالم تھے۔ کیوں کہ اللہ عالم الغیب ہے۔ حضرت رسولؐ ان کی سلامتی سے واقف نہ تھے مگر آپؐ اس خبر سے اتنے متاثر ہوئے کہ حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے تشریف رکھ کر چودہ سو ساتھیوں میں سے ایک ایک کر کے اپنے ہاتھ پر بیعت لی کہ "عثمانؓ کے خون کا بدلہ لے کر رہیں گے" اللہ تعالےٰ اس خبر کی ہر نزاکت سے واقف ہوتے ہوئے اس بیعت سے راضی ہوئے، نہ صرف راضی ہوئے بلکہ یہاں تک

کہہ دیا "اُن کے ہاتھ پر میرا ہاتھ تھا" یعنی اُن جاں بازوں نے اللہ سے بھی یہی عہد و پیماں کیا تھا۔ اِسی کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ اِس کی تفصیل تمہیں سورہ فتح میں ملے گی۔ اُسے پڑھو اور سمجھو۔ تمہیں یاد ہوگا کہ اس بیعت کا سرسری ذکر میں نے اپنے کسی پچھلے خط میں کیا ہے۔

اب باریک بات یہ ہے کہ سنہ ۶ ہجری سے سنہ ۳۵ ہجری کے درمیان اُن چودہ سو جانبازوں میں سے چند بعد کی جنگوں میں شہید ہو گئے ہوں گے یا اللہ کی رضا سے فوت ہو گئے ہوں گے۔ اُن پر بیعت کی پابندی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ہاں اُن میں حضرت عثمانؓ کی حقیقی شہادت تک اور اس واقعہ کے بعد بھی زندہ رہے اس بیعت کی تکمیل کے لئے وہ پابند تھے۔ "خون کا بدلہ لے کر رہیں گے" والی بات اپنی جگہ ثابت اور قائم تھی۔ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے کے اسی عہد کو اللہ نے بڑی اہمیت دی اور تھی بھی بات ویسی ہی! اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اُسی سورۃ میں یہ فرمایا "جو کوئی اس عہد کو توڑے گا اُس کا وبال اس کی اپنی ذات پر ہوگا"۔ وہ حضرات جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے

خواجہ معین الدین صاحب کی یہ تصنیف نہ صرف حضرت عثمان رض
کی سیرت مبارکہ کا احاطہ کرتی ہے بلکہ مناسب مقامات پر موصوف
نے ناصحانہ انداز میں قارئین کو بعض اہم امور اور ضروری باتوں کو
طرف بھی متوجہ کیا ہے تاکہ ہم ان باتوں کو حضرت رض کی سیرت کے طفیل
سے اپنی زندگیوں میں جاری کر سکیں۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس سعی کو مشکور فرمائے
اور اس کو سند قبولیت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

فقط
دعاگو نثر دستخط
۸ر ستمبر ۱۹۹۱ء م ۲۷ر صفر ۱۴۱۲ھ
یکشنبہ

اور حضرت عثمان کی شہادت تک زندہ تھے اُن پر اس خون ناحق کا بدلا لینا بطورِ خاص فرض ہوگیا تھا۔ اُن میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔

مگر افسوس کہ اُمّتِ مسلمہ دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ ہاں کہتا تھا اور دوسرا ٹال مٹول یا اپنی مجبوری ظاہر کر رہا تھا۔ اس "ہاں اور نہیں" کے جھگڑے میں بیعتِ رضوان کی اہمیت پس پشت پڑ گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی ہوگئی۔ دو مسلم گروہوں میں تلوار چل گئی، مُسلمانوں نے مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان اِسی خانہ جنگی کا نتیجہ تھیں۔ جن میں کوئی ۸۵ ہزار مُسلمانوں کا ناحق خون ہوا۔ کسی منکرِ حق نے نہیں بلکہ حق پرستوں نے حق پرستوں کا گلہ گھونٹا۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہو تو المیہ کہو، حُزنیہ مگر مجھے یقین ہے کہ تم اسے اتفاقیہ تو نہیں کہو گے بلکہ یہ ایک سازش تھی جس کا عقلمندوں کو اندیشہ تھا۔

اب ایسے واقعہ کے بعد کے اثرات پر غور کرو۔ مفسدوں کی سازش کامیاب رہی۔ حضرت نبیؐ پر بھی سازشی کھیل کھیلا گیا،

بی بی عائشہ پر تہمت لگائی گئی۔ حضرت عمرؓ کی شہادت بھی اسی سازشی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔ اُمتِ مسلمہ کی یکجہتی اور مرکزیت دونوں متاثر ہوئے۔ اسلام کے پھیلاؤ کو دھکا لگا۔ مسلمانوں کی بھائی چارگی متاثر ہوئی، جس کی مثال دُنیا بھر میں نہیں ملتی تھی۔ پہلے تو صرف دو گروہ تھے مگر بعد میں گروہ در گروہ ہو گئے۔ ان حالات میں آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے۔ تم بتاؤ کہ تم کیا محسوس کرتے ہو۔؟ اِس موقعہ پر ہر شخص اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتا ہے مگر مشیت ایزدی کے آگے چپ ہے۔

آگے میرے دو ایک خط اور ہوں گے تب یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اب حضرت عثمانؓ کے فضائل کے بعد حضرت علیؓ کا تذکرہ لکھوں گا۔ حضرت عثمانؓ کے فضائل اور کمال کے بارے میں اور اُن کے اخلاق کردار اور اولاد پر دو ایک خط لکھوں گا جن سے تم پر واضح ہو گا کہ حضرت عثمانؓ بہت بڑے آدمی تھے۔

فقط

تمہارا معین۔

# پیارے بیٹے کا جوابی خط

ابّا! السّلام علیکم۔

پچھلے خط میں آپ نے مجھ سے پوچھا "میں کیا محسوس کرتا ہوں۔ واقعات اِتنے دل کو چھیدنے والے ہیں کہ کچھ سوچنے کو جی نہیں چاہتا۔ جو باتیں نہ ہونے کی تھیں ہوگئیں۔ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ حضرت رسولؐ اللہ کو پردہ فرمائے پورے ۳۵ برس بھی نہ ہونے پائے تھے کہ ایسی باتیں ہوگئیں جن کے بارے میں گمان نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت عثمانؓ حضرت رسولؐ کے جانثار، داماد، اُمّت کے بہی خواہ، مِلّت کے سچّے مددگار اور بڑے مرتبہ والے خلیفہ اس بے دردی اور بے بسی کے عالم میں شہید کر دیئے گئے کہ ایسی مثال کسی اور اُمّت یا قوم میں نہیں ملتی۔ بدبختوں کو خلیفہ کا ایک بھی احسان یاد نہ آیا ہوگا؟ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے کو یہ کیا سوجھی کہ قاتل لڑکے کے

سردار بن بیٹھے۔ کم از کم اپنے باپ کا لحاظ اور پاس تو کیا ہوتا۔ میرا احساس وہی ہے جو سارے اُمتیوں کا ہے۔ یہ مُسلمانوں کی بڑی بدبختی ہے اس کے سواء اور کیا کہہ سکتا ہوں اور غم میں میں بھی سب کے ساتھ شریک ہوں۔ ایسی مثال اُمتِ مسلّمہ میں دیکھ کر شرم سے نظر نیچی ہو جاتی ہیں اور جسم پسینے سے شرابور ہو جاتا ہے۔ حضرت کی ذات بھی مثالی تھی، صبر و استقلال اللہ اور رسُول کی بات پر کامل ایمان اور ایقان، شہادت کی تیاری، یہ ایسے واقعات ہیں جو قیامت تک بھولے نہیں جا سکتے۔ ہم سب کا سلام آپ کی خدمت میں۔

آپ کا

آمین۔

# پچیسواں خط

پیارے امین دُعا سلام

بہت دنوں کے بعد تمہارا خط ملا۔ تم نے اپنا سچّا احساس پیش کیا اس کو ملّت کی بدبختی کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے ناحق خون کی وجہ سے تاریخ اسلام میں ایک ایسی مثال قائم ہو گئی ہے کہ مسلمان قیامت تک اس کا جتنا بھی ماتم کریں کم ہے۔ رہتی دنیا تک اس بے ایمانی کا مداوا نہیں ہو سکتا اور مارے شرم کے پانی میں ڈوب مرے بھی تو کم ہے ؎

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اُس ہستی کے فضائل اور کمال کے بارے میں کیا لکھوں جس کے تعلق سے خود رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ "ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں" حضرت عثمانؓ اُن صحابہ میں تھے جن کی وجہ سے اسلام کو بڑی قوت ملی۔ اِس لئے اُن کے واسطے

جنت لائی تھی۔ "عشرۃ مبشرۃ" ہونے کے لحاظ سے یا بدری صحابہ ہونے کے ناطے یا پھر اُن کی کشادہ دلی اور فیاضی کی بناء پر اُن کیلئے جنت مختص ہو کر رہ گئی۔

حضرت عثمانؓ میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اسلام سے پہلے ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اِسلام قبول کرنے کے بعد اُس خوبی میں چار چاند لگ گئے۔ اس خوبی کی بناء پر حضرت رسولؐ نے ان کو وحی لکھنے کے کام پر مقرر فرمایا تھا۔ کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کو طلب کر کے اُسے لکھوا دیا کرتے تھے۔ آپؓ کے فرمان آپ کے لکھنے کے طرز اور بولنے کے انداز کو واضح کرتے ہیں۔ اُن میں فصاحت، بلاغت کے ساتھ ساتھ روانی، سلاست جھلکتی ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ حضرت صدیقؓ آخری دم کے وقت حضرت عثمانؓ کے ہی قلم سے ملّت کے لئے ایک وصیت لکھائی تھی۔ کچھ لکھایا تھا کہ غشی طاری ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ نے وقت کی نزاکت کا اندازہ پاکر خلیفہ کی جگہ حضرت عمرؓ کا نام اپنے طور پر لکھ دیا تھا۔ جب حضرت صدّیق کو ہوش آیا تو وصیت کی عبادت کو پڑھ کر سنانے کو کہا۔ وہاں حضرت عمرؓ کا نام سُن کر صدیقؓ نے کہا "تم نے میرے دِل کی بات لکھدی

اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دیں"۔ تقریر میں آپ کو کوئی خاص ملکہ نہ تھا پھر بھی تیار ہو کر ممبر پر آتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا "تم کو تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے"۔ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کا پڑھنا اور پڑھانا دونوں افضل ہے۔ اُن کو قرآن سے خاص لگاؤ تھا۔ قرآن کے حافظ بھی تھے۔ ضرورت پر آیات کا بڑی خوبی سے حوالہ دیتے تھے۔ معنی اور مفہوم پر کافی عبور تھا۔ وقت پر قرآن سے استدلال اور احکام کی وضاحت بڑی خوبی سے کرتے تھے۔ قرآن کو تو مسلموں کی تحریف سے بچانے میں بڑا حصہ ادا کیا جو حفاظت قرآن کے ضمن میں اُن کا سب سے بڑا کارنامہ ہے یہ بات بھی آپ کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ آپ شہادت کے وقت تلاوت قرآن ہی میں لگے ہوئے تھے۔

آپ نے کوئی ۱۲۶ حدیثیں بیان فرمائیں کیوں کہ اس معاملے میں آپ بڑی احتیاط برتتے تھے اور اللہ سے ڈرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ شاید دوسروں کے مقابلے میں میرا حافظ ساتھ نہ دیتا ہو۔ ایک دفعہ آپؓ نے حضرت رسولؐ کا ایک ارشاد بیان فرمایا تھا کہ "وہ شخص دوزخی ہے جو میرے بارے میں ایسی

باتیں مجھ سے منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہوں"۔

لوگ پیچیدہ معاملات اور مسائل میں اُن سے رائے لیتے تھے اور فتوے پوچھتے تھے۔ آپ اجتہاد کے معاملے میں کسی سے کم نہ تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اپنی چادر اُڑھائی جو کعبہ کے قریب کھڑا تھا اس پر ایک کبوتر آبیٹھا تو انھوں نے اُس کی بیٹ کے ڈر سے اُسے اُڑا دیا۔ وہ کبوتر ایک ایسی جگہ جا بیٹھا جہاں پہلے سے ایک زہریلا سانپ تھا۔ اس نے کبوتر کو گزند پہنچایا۔ اس کے زہر سے کبوتر مر گیا۔ اس مسئلے پر حضرت عثمانؓ سے پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا "اس کا کفارہ دینا چاہیئے کہ کبوتر کو ایک غیر محفوظ مقام پر بھیجنے کے ذمہ دار یا باعث عمرؓ بنے"۔ حضرت عمرؓ کے قتل کے بارے میں آپ نے عبیداللہ بن عمر سے دیت لینا طے کیا۔ وہ دیت آپ نے اپنی جیب سے ادا کی۔ اور پھر اسے بیت المال میں داخل کیا۔ کیوں کہ مقتول کا کوئی وارث نہ تھا۔ لاوارث کا وارث یا ولی" والی وقت ہوتا ہے۔

ایک اور بات جو حضرت عثمانؓ کے فضائل اور کمالات میں بطورِ خاص نوٹ کرنے کے قابل ہے وہ ہے علم الفرائض یعنی ترکہ یا

وراثت کی تقسیم کا علم۔ چونکہ یہ ایک حسابی معاملہ ہوتا ہے اور اسلام کا ایک نازک مسئلہ ہے۔ اس میں کئی پیچیدگیاں ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کا ذاتی بلکہ آبائی پیشہ تجارت تھا۔ بچپن سے ہی اپنے والد کے ساتھ اس پیشے سے لگے رہے۔ اس لئے حسابی معاملے میں طاق تھے اور بڑی مہارت حاصل کی تھی۔ تجارت اور حساب دونوں الگ الگ نہیں ہیں۔ چنانچہ تقسیم وراثت کے اصول اور ضابطے اور طریق کار اپنی اجتہادی قوت کی مدد سے بنائے اور انھیں آسان بھی کر دیا۔ موجودہ علم الفرائض کی عمارت آپ ہی کی قائم کردہ ہے۔ وہ اس فن کے امام مانے جاتے تھے۔ اُن کے ساتھ زید بن ثابتؓ بھی اس فن کے ماہر گنے جاتے تھے۔ حضرت صدیقؓ اور عمرؓ بھی اپنے دور میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ آپؓ ہی کے ذمہ کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کو خوف لگا ہوا تھا کہ اُن کی وفات کے بعد یہ علم کہیں ختم نہ ہو جائے۔

حضرت عثمانؓ فطرتاً بڑے پارسا، دیانتدار اور راست باز اور صلح جو واقع ہوئے تھے۔ لڑائی جھگڑا پسند نہ کرتے تھے۔ حیا اور شرم کے معاملے میں آپؓ کی شان ہی الگ تھی۔ تم نے

پڑھا ہوگا کہ بچپن میں بھی آپ نے شراب کو منہ نہ لگایا۔ اللہ کا ڈر، قبر کے حساب اور حساب کتاب کے دن سے گھبرا کر ہمیشہ روتے رہتے تھے۔ حضرت رسول اللہ کا ارشاد ہمیشہ آپ کی نظر میں رہتا تھا "قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔ اگر یہ خیر و خوبی سے گزر جائے تو تمام منزلیں خود بخود آسان ہو جاتی ہیں"۔

تمہیں یاد ہوگا کہ حضرت رسول اللہ کی فقیرانہ زندگی سے وہ بے حد فکر مند رہتے تھے۔ تحفے تحائف کی شکل میں کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے تھے اور اس طرح اپنی بے قراری مٹاتے تھے۔ حضرت رسول کا بڑا احترام کرتے تھے۔ آپ نے جس ہاتھ سے نبی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اُسے نجاست سے مس ہونے نہ دیا اہلِ بیت اور ازواج مطہرات کے روزینے ماہِ رمضان میں دوسروں کے مقابلے میں دوچند کر دیا کرتے تھے۔

اتباعِ رسول کے معاملے میں حضرت عثمانؓ کی مثال نہیں ملتی۔ سرکارِ دو عالم کی ہر حرکت کو نوٹ کرتے تھے۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے اور فرماتے "میرے آقا نے ایسا ہی کیا"۔ غرض سرکارِ دو عالم مسجد میں یا کہیں

# تقریظ

از جناب ڈاکٹر سلطان محی الدین صاحب
[پروفیسر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً علی رسولہ الکریم

زیر نظر کتاب مولوی خواجہ [illegible] الدین صاحب کی چھٹی تصنیف ہے۔ انھوں نے بطرزِ خطوط اسے مرتب کیا ہے۔ کتاب خلیفہ سوم حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت گرانمایہ میں ہے۔ جو (۳۱) خطوط پر مشتمل ہے۔ سیرت پر اس سے پہلے ان کی پانچ کتابیں شائع اور مقبول ہو چکی ہیں۔

میں نے اس کتاب کا جستہ جستہ مطالعہ کیا ہے۔ خواجہ صاحب صاحبِ طرز انشا پرداز ہیں قلم رواں دواں ہے، بڑے ہی دل نشین پیرایہ میں "باپ کے خطوط بیٹے کے نام" کے زیر عنوان ناصحانہ، موثر، دل کش اسلوب اور شستہ زبان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کے

اور اُٹھتے بیٹھتے تھے وہاں آپ ویسا ہی کیا کرتے تھے۔ آپؐ کی حیا اور شرم کے بارے میں تم نے سُنا تھا "فرشتے بھی آپ سے شرم کرتے تھے"۔ بند کمرے یا تنہائی میں بھی آپؐ کبھی برہنہ نہ ہوئے۔ اُن کا بچپن بڑے ناز و نعم میں گزرا مگر نبیؐ کی صحبت میں میں آئے تو لذیز کھانے اور نرم لباس یک دم چھوڑ دیا۔ شان بھری زندگی آپ کو پسند نہ تھی گھر میں بیسوں غلام موجود تھے مگر اپنا کام آپ کرتے تھے۔ کسی کو تکلیف نہ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ تہجد کی نماز کے لئے وضو کا اِنتظام خود ہی کر لیتے تھے۔ غلاموں کو نیند سے نہ جگاتے تھے۔ ہمیشہ نرم گفتگو کرتے تھے۔ اگر کوئی سخت کلامی کرتا تو اس کا جواب نرمی سے دیتے تھے۔ میرے پچھلے خطوں میں اُن کی فیاضی کی کئی مثالیں تم نے پڑھی ہیں۔ وہ بڑے دریا دِل تھے۔ غریبوں کی بدحالی، بیواؤں کی بے چارگی، یتیموں کی کسمپرسی آپؐ سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ اُن کے حال سے پریشان ہو کر اپنا سب کچھ لُٹا دیتے تھے۔ تمہیں یاد ہے کہ جہاد پر جانے والے مُسلمانوں کی کس کس طرح سے مدد کرتے تھے۔ ضرورتمندوں کی قرض کے ذریعے امداد کرتے تھے، قرض کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر دفعہ معاف

کر دیا کرتے تھے۔ آپؓ کا صبر و تحمل مثالی تھا۔ بلوائیوں کے محاصرے میں بڑے صبر و تحمل سے کام لیا تھا۔

آپ کی مذہبی زندگی بھی نرالی تھی۔ دن میں خلافت کے کاروبار اور رات میں اللہ کے دربار میں حضوری آپ کا معمول تھا۔ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے، ہر دوسرے تیسرے دن روزہ ضرور رکھتے تھے۔ شہادت کے دن بھی روزے ہی کی حالت میں تھے۔ افطار اور سحر میں صرف اتنا کھاتے تھے۔ جتنا زندگی باقی رکھنے کے لئے ضروری ہوتا تھا۔

دونوں نبی زادیوںؓ کے گزر جانے کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں، اولاد بچپن ہی میں فوت ہوگئی۔ آپؓ کے ایک صاحبزادے حضرت ابان نے عمر طویل پائی۔ وہ بنو امیہ کے دور میں کافی ممتاز تھے۔

امین! حضرت عثمانؓ کی سیرت اور سوانح پر ایک آخری خط لکھ کر اس سلسلے کو ختم کرتا ہوں۔ وہ خط انشاء اللہ آپؓ کے اخلاق اور ذاتی حالات پر ہوگا۔ اس سلسلے کو ختم کرتے ہوئے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ تقریباً چھ ماہ حضرتؓ کے تذکرے کے لئے مواد

فراہم کرنے میں گزر گئے اب میری ایک پاک مصروفیت ختم ہوتی ہے۔ اس کا مجھے بے حد ملال ہے۔ جب میں آپ کا تذکرہ لکھتا تھا تو طبیعت کو بے حد سکوں ملتا تھا اور فرحت نصیب ہوتی تھی۔ اب حضرت علیؓ کے تذکرے کو اِنشاء اللہ ہاتھ پر لوں گا۔ آگے اللہ کی مرضی۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔ بس ایک آرزو ہے کہ زندگی ختم ہونے سے پہلے خلفائے راشدین کے تذکرے کو پورا کر لوں۔

فقط

تمہارا معین

# اکیسواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

یہ میرا اکیسواں خط ہے اور شاید آخری بھی۔ تم گواہ رہنا میں نے یہ خطوط اوقات گذاری، دلگی یا قصہ گوئی کے لئے نہیں لکھے۔ ان کے لکھنے میں میری ایک نیّت تھی میرا ایک اِرادہ تھا اور ایک مقصد تھا۔ ایک آرزو تھی۔ تم نے سمجھ لیا ہوگا میری آرزو کیا تھی۔ میری آرزو تھی کہ مسلم نئی نسل کو بزرگوں کی زندگی کی ایک جھلک دِکھلاؤں کہ وہ زندگی کس طرح گزارتے تھے۔ اُن کے اخلاق اور طور طریق کیا تھے۔ اُن کا کردار کیا تھا۔ گھر دار، طرزِ زندگی۔ میل میلاپ کے سارے معاملوں میں اُن کا نورِ نظر کون تھا۔ وہ کونسا نمونہ اپنے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ وہ کس کی پیروی کو اپنی سمجھتے تھے۔ دین اور مذہب اُن کی نظر میں کیا تھے۔ دین کے پھیلانے کے لئے اُنھوں نے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں اور اُنھوں نے ایسا کیوں کیا۔ بس

ایسی ہی دو چار موٹی موٹی باتیں نئی نسل کے سامنے لانا چاہتا تھا اور آرزومند تھا کہ اُن بزرگوں کے کردار کا ایک عشرِ عشیر مری قوم کے نوجوانوں میں آجائے تو اِسلام کا پھر سے بول بالا ہو سکتا ہے۔ اس بات کو اُن کے دِل میں بٹھانے کے لئے واقعات کو خطوں کی شکل میں پیش کیا۔ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالےٰ میری اِس کوشش کو کس حد تک کامیاب کرنے والے ہیں۔ اگر بارگاہِ باری تعالےٰ میں مجھ سے سوال ہوگا کہ تو نے دنیا میں رہ کر کیا کیا اور دین کی کونسی خدمت کی تو تھرتھراتے ہاتھوں سے بارگاہ خُداوندی میں حضرت رسالتمآبؐ کی وساطت سے یہ پلندہ پیش کروں گا۔ اور عرض کروں گا کہ پیشانی پر کلمہ حق لکھا ہوا ہے اور ہاتھوں میں میرے چہیتے اور نیک بندوں کا تذکرہ ہے جن پر تو نے اِنعام کیا اگر قبول کرتا ہے تو بندہ پروری ہوگی اب اُن کی مرضی چاہیں قبول کریں یا رد کردیں۔ وہ دل کا حال جانتے ہیں، اداشناس ہیں اور ذرّہ نواز ہیں۔ اگر روزِ قیامت "ہاں" ہوئی تو میرا بیڑا پار ہے۔ اُن کے رحم وکرم کا محتاج ہوں۔ اس حقیر تحفے کو شرف قبولیت سے نوازنے کے لئے دُعا کرو۔

میرے والد صاحب قبلہ کے اِنتقال کے وقت میں چھوٹا تھا۔ اباتے

نے مجھے پاس بُلا کر کہا" تم پر میرا کچھ حق ہے، تم تو چھوٹے ہو، وہ حق کس طرح ادا کرو گے"۔ مجھے "حق" کی بات سمجھ میں نہ آئی۔ میں چُپ چاپ کھڑا رہا تو فرمایا "میرا حق یہی ہے کہ تم کلام اللہ کے پانچ دور کرو اور میرے نام بخش دو، حق ادا ہو جائے گا"۔ میں بھی تم سے میرا حق مانگتا ہوں، وہ یہ کہ ان خطوط کے بدلے میں بس اتنی دُعا کرو کہ اللہ میاں مجھے معاف کردیں۔ اور بوبو" اے اللہ میرے ابا کو تھوڑی بہت قلم کی صلاحیت جو تو نے دی ہے اُسے کام میں لا کر خطوں کا یہ تحفہ (سیرت عائشہؓ، سیرت فاطمہؓ، سیرت ابوذر غفاریؓ، سیرتِ صدیقؓ، سیرتِ عمرؓ، سیرت عثمانؓ، اور آگے سیرت علیؓ) تیرے حضور میں پیش کریں گے تو انھیں قبول فرما، غلطیوں، فروگزاشتوں، زیادتی یا کمی بیشی کو نظر انداز فرما، کیونکہ تو نکتہ نواز، ادا شناس، ستار اور غفار ہے اور دلوں کا حال جاننے والا ہے"۔

مجھے آج حسبِ وعدہ حضرت عثمانِ غنیؓ کے اخلاق اور عادات کے تعلق سے لکھنا ہے۔ آپ کے فضائل حسنہ کے تعلق سے ایک سے زاید واقعات تم نے میرے پچھلے خطوں میں پڑھے ہیں۔ اُن کی پارسائی دیانت داری اور راست بازی کی ایک سے زیادہ مثالیں تمہیں یاد

ہیں۔ اور تمہیں اس بات کا بھی اندازہ ہے کہ حضرت رسولؐ کی صحبت نے اُن اوصاف کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

جو دل اللہ کی ہیبت اور جلال سے نہ لرزتا ہو اس دل سے کسی نیکی کی توقع رکھنا پانی پر نقش بنانے کے برابر ہے۔ حضرت عثمان ہمیشہ اللہ کے ڈر سے کانپتے اور روتے رہتے تھے۔ ہر گھڑی موت، قبر اور عاقبت کے خیال سے لرزتے رہتے تھے۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تو آپؓ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھی۔ قبرستان سے جب کبھی آپ کا گزر ہوتا تو آپ اس قدر روتے تھے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ دوزخ کا حال سُن کر کانپ جاتے اور جنّت کی بشارتیں سُن کر خوش ہوتے تھے۔ حضرت رسولؐ پر جان وارتے تھے۔ اور آپؐ کی فقیرانہ زندگی دیکھ کر غمگین ہو جاتے تھے۔ اِتباعِ سُنّت کے کئی واقعات تم نے میرے پچھلے خطوں میں پڑھے ہیں۔ وضو کر کے اُن کا مُسکرانا تمہیں یاد ہے۔ کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ویسا ہی کرتے تھے۔

آپؓ غیر معمولی دولت کے مالک تھے۔ پھر بھی نازونعم کی زندگی آپ کو پسند نہ تھی، موٹا جھوٹا کھاتے تھے۔ نرم اور ملائم

لباس کبھی استعمال نہ کیا۔ بیویوں کو بھی ناس کے استعمال سے منع کرتے تھے گھر میں غلاموں کو کبھی تکلیف نہ دی۔ کوئی آپؓ سے سختی سے بات کرتا تو نرمی سے اُس کا جواب دیتے تھے۔ ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ نے ان کے والد عفان پر طعنہ زنی کی تو فرمایا "عہد اسلام میں عہد جاہلیت کا کیا ذکر" ایک دفعہ جمعہ کے دِن آپ ممبر پر کھڑے تھے' ایک طرف سے آواز آئی "عثمان توبہ کر اور بے اعتدالیوں سے ڈر" تو آپؓ فوراً قبلہ رو ہو گئے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا "اے باری تعالیٰ! میں پہلا توبہ کرنے والا ہوں جس نے تیری درگاہ میں رجوع کیا"

آپؓ نے ہمیشہ مسلمانوں کے مال سے ایثار سے کام لیا۔ اپنے لئے بیت المال سے ایک حبّہ نہ لیا بلکہ اپنے مقررہ وظیفہ بھی عام مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیا۔ دوستوں رشتہ داروں اور عزیزوں سے آپؓ کا فیاضانہ سلوک عام تھا۔ چچا حکم بن العاص کا جنھیں حضرت رسولؐ نے جلاوطن کر دیا تھا، بطور خاص سلوک کر کے قصور معاف کروایا تھا۔ اپنے دورِ خلافت میں انھیں مدینہ بلوالیا تھا' اُن کے بچوں کو ایک لاکھ درہم عنایت کئے تھے۔ اپنے عزیزوں کو اچھی خدمات بھی دلوائی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے بڑی بھاری رقم بطورِ قرض لی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد واپس کرنے آئے تو کہا "اُسے رہنے دو، یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے"۔

ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور خود ہی امیرِ حج ہوتے تھے۔ میدانِ عرفات میں تمام حاجیوں کی دعوت کرتے تھے۔ تمام حاجی کھانے سے فارغ ہونے تک آپؓ اپنے ڈیرے کے باہر ہی بیٹھے رہتے تھے اور سارا خرچہ اپنی ذات سے برداشت کرتے تھے۔

جب ہجرت کر کے مکے سے مدینہ آئے تو حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان رہے اور عرصہ تک وہیں ٹھہرے رہے۔ خلافت کے زمانے میں مسجدِ نبوی کے پاس ایک بڑا مکان بنوایا تھا۔ اور اُسی میں رہنے لگے تھے۔ یہ مقام آج بھی اُن ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اور حاجی وہاں قیام کرتے ہیں۔ وہاں ایک کتب خانہ اُن ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی دوسری طرف "مشہد عثمان" کے نام سے ایک کتب خانہ لگا ہوا ہے۔

معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا۔ اُسی سے بہت مالدار بنے۔ مال و دولت میں آپؓ کی برابری کوئی نہ کر سکتا تھا۔ غیر معمولی دولت

اور ثروت کی وجہ سے بہت مالدار بنے اور غنی کا خطاب دیا گیا۔ فتح خیبر کے بعد اس جنگ میں شریک صحابہ کو حضرت رسولؐ نے جاگیریں عنایت فرمائیں اس طرح حضرت عثمانؓ کو بھی ایک قطعہ ملا۔ اس کے علاوہ آپؓ نے بہت سی جائیدادیں خریدیں۔ بقیع میدان میں ایک بہت بڑا قطعہ خریدا جو بعد میں قبرستان کے لئے وقف کر دیا گیا۔

آپؓ نے زراعت بھی رکھی تھی لیکن خود سے کھیتی باڑی نہیں کی۔ بٹائی پر زمین دیتے تھے اور ایک تہائی پیداوار لیتے تھے۔ بہت ہی نرم غذا استعمال کرتے تھے جو آسانی سے ہضم ہو سکے۔

آپؓ بہت مہمان نواز تھے۔ دسترخوان بہت وسیع ہوتا تھا۔ اکثر عزیز و اقارب موجود رہتے تھے مگر غریبوں مسکینوں اور محتاجوں کو بھولتے نہ تھے مزاج میں بڑی صفائی اور پاکیزگی تھی۔ جب مسلمان ہوئے تو ہر روز غسل کرتے لگے۔ تمام عمر پائجامہ نہیں پہنا مگر شہادت کے دن پہنا تھا کیوں کہ لوٹ پوٹ میں بے ستری کا خوف تھا۔ یہ آپؓ کی حیا داری کی بہترین دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی آپؓ کو بے ستری پسند نہ تھی۔ ہمیشہ نہ بند باندھتے تھے جو ایک صحابی کے قول کے مطابق ۵ درہم یعنی (ایک روپیہ) سے زیادہ قیمتی نہ ہوتی تھی۔

نام کتاب: باپ کے خطوط بیٹے کے نام (سیرتِ عثمانؓ)

مُصنّف: سیّد خواجہ مُعین الدّین ایم۔اے، بی ایڈ، ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

سنہ اشاعت: اگسٹ ۱۹۹۲ء مصفر ۱۴۱۳ھ

کتابت: عطاء الحمید قریشی عرف محسن

مطبوعہ: اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

قیمت: بیس روپے (۲۰ روپے)

بہ تعاون: ایچ۔ای۔ایچ۔دی نظامس اردو ٹرسٹ حیدرآباد

مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر معلومات فراہم کئے ہیں اور بہتر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ موصوف کی یہ کوشش ہر لحاظ سے لائقِ ستائش ہے۔

اِن کی یہ مکتوبات مفید، قابلِ مطالعہ اور خاص کر ہماری نوجوان نسل کے لئے نہایت ضروری اور قیمتی ہیں۔ اسلاف کی زندگیوں اور اُن کے بیش بہا کارناموں سے ہماری نئی نسل بے بہرہ ہوتی جارہی ہے۔ خلفائے راشدین کی سیرت کا مطالعہ دراصل ہدایت پانا اور صراطِ مستقیم پر چلنا ہے۔ اِن خطوں کے پڑھنے یا سُننے سُنانے سے بنیادی معلومات میں اِضافہ ہوتا ہے، کردار سازی میں بڑی مدد ملتی ہے اور زندگی کے لئے ایک واضح اور روشن لائحہ عمل بھی ہاتھ آتا ہے۔

اِس کتاب میں خلیفہ سوم رضؓ کے عظیم الشان کارنامے اور جذبات، اُن کا ایثار اور قربانی، اللہ کے راستے میں مال و دولت کا بے حساب خرچ کرنا اور خلافت اور حکومت علیٰ منہاج النبوۃ چلانا، یہ اور اِسی قسم کی بہت سی باتیں ہمیں اس تذکرے میں ملتی ہیں۔

موجودہ دور میں لوگوں میں بڑی بڑی اور ضخیم کتابوں کے پڑھنے کا ذوق اور مزاج باقی نہیں رہا۔ نئی نسل تو کتاب کھولنا اور پڑھنا گوارا نہیں کرتی مگر خواجہ صاحب کی اختصار نویسی کچھ ایسی ہے کہ پڑھنے

ابتدائی خط میں حلیہ کا تھوڑا سا ذکر آیا تھا یہاں تفصیل دی جاتی ہے۔ خوب رو اور خوب صورت تھے۔ رنگ گندمی، قد معتدل ناک بلند اور خم دار، رُخسار پر گوشت، اُن میں چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، گھنی داڑھی، کبھی کبھی خضاب بھی استعمال کرتے تھے۔ دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور چمک دار تھے۔

یہ ہے اُس ہستی کا خاکہ جو ذوالنورین، ذی الہجرتین اور غنی کہلائی۔ حضرت رسولؐ کے جانثار، غریبوں کے غم خوار، محتاجوں کے مددگار، حضرت رسولؐ کے وفادار، یتیموں، بیواؤں اور معذوروں کا سہارا، خلیفاؤں میں سب سے بڑے مالدار، محبّت رسُولؐ میں یکتا اور سرشار عبادت گذاری میں بے مثال، شرم وحیا کا پتلا، صبر و تحمل کا مضبوط مینار، عذابِ قبر اور آخرت کے حساب کتاب سے خائف، دِن میں قوم کا رکھوالی اور رات میں آقاؤں کے آقا کا غلام ——

اِنّا للہِ و اِنّا الیہ راجعون۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہِ رب العالمینؔ الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وختم الانبیاء والمرسلین۔ وتمت بالخیر

فقط

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

ملنے کے پتے

- تمام کتب فروشوں سے
- راست مصنف سے 2/1-75-7-16 چنچل گوڑہ، حیدرآباد-۲۴
- بتوسط محمد خواجہ حبیب شمس الدین صاحب انجینئر
قدیم ملک پیٹ، نزد پانی کی ٹانکی

والے کو ان خطوط اور مکتوبات پڑھنے میں رغبت اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ آسان سلیس چھوٹے چھوٹے جملوں میں اور دلچسپ انداز میں معلومات کو اپنے قاری کے ذہن نشین کرانے میں وہ بڑے کامیاب نظر آتے ہیں۔ موقع بہ موقع واقعات اور معنیٰ مطالب کی موزونیت اور مناسبت سے موزوں اشعار کو لانا اُن کی اِنشاء اور تحریر کی ایک خاص اور اہم خصوصیت ہے۔ ان کی تحریروں میں جہاں ایک طرف اُن کی مخلصانہ خدمات اور احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے تو وہیں دوسری طرف سنجیدۂ فکر اور تخیل کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی یہ تحریریں خط نویسی سے بھی روشناس کراتی ہیں۔ غرض کہ اِن کے یہ خطوط بامقصد خطوط کا اچھا نمونہ ہی نہیں بلکہ ایک مفید سلسلہ ہے۔

دُعا ہے کہ اِن کے زورِ قلم میں اور اِضافہ ہو، اُنکی سعی جمیل مشکور و مقبول خاص و عام ہو۔ مزید یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اِسی طرح خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کی سیرتِ طیبہ کو بھی ان کے اشہبِ قلم سے پورا کروائے۔ آمین

۱۶/۹/۱۹۹۱ء

فقط

شرحِ دستخط

# پہلا خط

پیارے امین! دُعا سلام۔

تمہیں یاد ہوگا کہ سیرتوں کے تعلق سے جب کبھی میں تم لوگوں کے نام خط لکھنے کا ارادہ کرتا تھا تو مجھے دو الجھنوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ ایک الجھن یہ تھی کہ خطوں میں کن بزرگ کی سیرت لکھوں؟ دوسری مشکل یہ تھی کہ خط کس کے نام لکھوں۔ اب تو میرے سامنے پہلی اُلجھن نہیں ہے کیوں کہ پچھلی کتاب کے کسی خط میں میں نے تمہیں بتایا تھا کہ آئندہ میرے خطوں کا عنوان خلفائے راشدین رضی اللہ تعالےٰ اجمعین کی سیرت ہوگا۔ چنانچہ دو حضرات کرام —— یعنی حضرت صدیقِ اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے تذکرے تو پورے ہو گئے۔ اب رہ جاتے ہیں دو حضرات۔ یعنی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ —— سلسلے کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کا نام آتا ہے۔ اس لئے اب ان خطوط میں حضرت عثمانؓ کا تذکرہ رہے گا۔ البتہ دوسری مشکل اپنی جگہ قائم تھی۔ اِسی لئے یہ ذمہ داری میں نے تم پر ڈال دی تھی کہ تم ہی کسی کا نام بتادو مگر آج تک تم نے میری

یہ خواہش پوری نہ کی۔ اس لئے میں نے کہا "تمہاری تیسری بہن خالدہ سلمہا کے نام حضرت عثمانؓ کی سیرت لکھتا جاؤں۔ وہ بھی اچھی پڑھی لکھی ہیں۔ بات کو جلد سمجھ بھی لیتی ہیں۔ تمہاری بڑی بہن رضیہ سلمہا اور منجلی بہن ساجدہ سلمہا کے ناموں سے سیرت حضرت عائشہؓ اور سیرت حضرت بی بی فاطمہؓ اسی طرز پر لکھی جا چکی تھیں اب تمہاری تیسری بہن خالدہ سلمہا کی باری تھی۔ میں نے کہا وہ بھی خطوں میں اپنا نام دیکھ کر اپنی بڑی بہنوں کی طرح خوش ہو جائیں گی۔

مگر میں نے پھر سوچا کہ بیٹی کے لئے کسی صحابیہ کی سیرت زیادہ موزوں ہو گی۔ ورنہ ایک بے جوڑ سی بات ہو جائے گی۔ اس سے ہٹ کر ایک اور سبب کی بنا پر میں شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کا آخری دور سازشوں کا شکار ہو گیا تھا اور نتیجہ بھی دل خراش نکلا۔ اس دور میں چار دن طرف سے فتنے، فریب اور خود غرضیاں سر اٹھا چکی تھیں۔ ملت کا فائدہ پیچھے رہ گیا تھا۔ دین اور ملت کا کام خطرے میں پڑ گیا تھا۔ حضرت خلیفہؓ انتہائی بردبار ٹھنڈے دل اور مروت والے انسان تھے۔ آپس میں لڑنا جھگڑنا اور ایک دوسرے سے نفرت کرنا انہیں پسند نہ تھا بلکہ وہ آپس میں محبت اور بھائی چارگی، ملت کا اتحاد اور دین محمدی کا استحکام اور مضبوطی چاہتے تھے۔ ابھی سرکشوں کے منہ میں سرکش گھوڑوں کی طرح خار دار لگام

لگائے رکھنے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے خطبے میں فرمایا تھا
"عرب بدکش اونٹ ہیں" ان کے دور میں یا تو وہ سختی اور پابندی تھی کہ کوئی
صحابی مدینہ چھوڑ کر باہر بود و باش اختیار نہیں کر سکتے تھے یا پھر یہ فراخ
دلی شرافت اور مروت کہ ایک مقتول کا خوں بہا حضرت عثمانؓ نے اپنی جیب سے
ادا کیا تھا۔ یہ اس لئے ہوا کہ حضرت خلیفہؓ ایک فتنے اور جھگڑے کو مٹانا
چاہتے تھے مگر بدبختوں نے اس مروت اور بردباری کا غلط فائدہ اٹھایا اور اسی
کے چھ برس کے اندر نوبت یہاں تک پہونچی کہ ان بدمعاشوں نے حضرت خلیفہؓ
کے گھر کو کئی دن اپنے گھیرے میں لے رکھا اور اُن پر کھانا پانی جیسی ہر ضروریات
بند کر دی تھیں۔ مگر اللہ کے اس بندے نے باوجود قدرت رکھنے کے ان
شریروں کی سرکوبی کے لئے نہ تو فوج طلب کی اور نہ گھر پر چوکسی کے لئے کوئی
پہرہ ہی بٹھایا سنجیدہ اور بہی خواہ لوگ حفاظتی تدبیروں کی گزارش کرتے رہے
اور حکم کے منتظر تھے مگر خلیفہؓ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان آپس میں کٹ مریں۔
بات یہاں تک پہونچی کہ شریروں نے ایک طرف خلیفہؓ کے گھر کا دروازہ توڑا
اور دوسری طرف گھر کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے اور بے گناہ خلیفہؓ کو
شہید کر دیا۔ محترمہ بی بیؓ پاس تھیں بیچ بچاؤ کے لئے آگے بڑھیں تو تلوار کی زد
میں آکر اُنکا ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ کر جھڑ پڑیں۔ کئی گھنٹے گزرنے

کے بعد رات کے اندھیرے میں صرف سولہ صحابہؓ نے شہید خلیفہؓ کو خاک کے حوالے کیا ــــ خلیفہ وقت اور بے بسی کا یہ عالم ــــ نہ دیکھا جائے ہے! نہ سُنا جائے ہے!!

دل کو چھیدنے والی ایسی ہی باتیں تم آگے چل کر پڑھو گے اور تمہارا دل رنج اور نفرت سے بھر جائے گا۔ اسی لئے میں نے مناسب سمجھا کہ برخورداری خالدہ کے سُکھی دل کو دکھی ہونے نہ دوں۔ اُن کے بجائے تمہیں لکھتا جاؤں تاکہ تم خود ہی اُس وقت کے حالات کو پڑھ کر صحیح نتیجہ پر پہنچ سکو۔

مجھے معلوم ہے تم میں صلاحیت ہے، صبر اور سنجیدگی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم جذبات میں بہے بغیر صبر اور سکون کے ساتھ واقعات پڑھو گے اور دوسروں کو سُناتے وقت ذہن کو صاف رکھو گے۔ اس لئے آئندہ سے میں حضرت عثمانؓ کی سیرت پر خط تمہارے ہی نام لکھوں گا۔

اُمید ہے کہ تم انہیں جوڑ کر رکھو گے۔ اِنشاءاللہ حضرت عثمانؓ کی سیرت کا یہ گلدستہ لوگوں کے ہاتھوں میں آ ہی جائے گا۔ اگر نیت صاف ہو کام میں خلوص ہو اور سچی لگن بھی ہو تو۔ دنیا کے بڑے بڑے مرحلے بڑی آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔ اور ہم حیران ہی رہ جاتے ہیں کہ وہ کام کیسے پورے ہو گئے۔

کام سب کے نکل ہی جاتے ہیں ؛؛ کارگر کیوں نظر نہیں آتا۔
جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں ؛؛ دینے والا نظر نہیں آتا

فقط تمہارا
مُعین

# پیارے بیٹے کا پہلا جوابی خط

ابّا! السّلام علیکم۔

ہم سب اچھے ہیں۔ ہر وقت ہمیں آپ ہی کی فکر لگی رہتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو زیادہ آرام ملے مگر آپ نے خلفاء راشدین کی سیرتوں کا جو منصوبہ بتایا ہے وہ بھی اُتنا ہی اہم ہے۔ تاہم اس کی آڑ لے کر آپ کی صحت کو جوکھم میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ کام کے اچھے ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر آپ کی صحت کا سوال بھی تو توجہ چاہتا ہے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے لکھیئے۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ میاں آپ کو صحت اور قوت دیں تو آپ اور بھی اچھے کام کر سکتے ہیں۔ میرے نام سے آپ نے حضرت عمر فاروق رضؓ کا تذکرہ لکھ کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اب حضرت عثمان رضؓ کی سیرت کے خط بھی میرے ہی نام لکھ کر احسان پر احسان کر رہے ہیں۔ اس لیئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اِنشاء اللہ میں اِن خطوط کو جوڑ کر رکھوں گا۔ اور پوری احتیاط

کروں گا۔ آپ جب یہاں آئیں گے تو آپ کو بتاؤں گا تاکہ انھیں بھی ایک کتاب کی شکل میں چھاپا جا سکے۔ یہ خط گو آپ میرے نام سے لکھنے والے ہیں مگر یہ سب کے لئے یکساں فائدے کی چیز ہیں۔ ہم سب کی طرف سے سلام قبول فرمائیے۔ فقط

آپ کا

امیں

# دوسرا خط

پیارے امین! دُعا سلام!

تمہارا مشورہ اور خیال دونوں اچھے ہیں۔ میں انھیں قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ تمہارا جوابی خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ تم دُعا کرو کہ اللہ تعالےٰ میرے ارادہ کو کامیاب بنائیں اور میرے دِل کی بات پوری کریں۔ تو آؤ اللہ کا نام لے کر حضرت عثمانِ غنیؓ تیسرے خلیفہ کا ذِکر شروع کریں۔

عربوں نے سیرت اور سوانح نگاری کو ایک مستقل فن کا درجہ عطا کیا ہے۔ اُن ہی کے اصول اور طریقوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس تذکرہ کا آغاز اُن کے نام، قبیلے اور خاندان، اُن کے حسب و نسب، لقب کنیت اور خطاب سے کریں گے۔

حضرتؓ کا نام تو تم جانتے ہی ہو، عثمان نام ہے، والد کا نام عفّان ہے اس لئے آپ عثمان بن عفّان مشہور ہوئے۔ عفّان مکے کے شریف اور دولت والے لوگوں میں گنے جاتے تھے اور قریش کے سرداروں میں اُن

# اِنتساب

میری اِس ناچیز کاوش کو

میرے محسنِ اوّل اُستادِ محترم حضرت مولانا مولوی ابوالمظفر حمد اللہ حسین صاحب مبیضر کے نامِ نامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصِل کرتا ہوں جنھوں نے مجھ میں نہ صرف ادبی ذوق پیدا کیا بلکہ مذہبی شوق بھی بھایا اور بندگانِ دین سے میری عقیدت بھی بڑھائی اُن کا درسِ اوّل مجھے آج بھی یاد ہے ؎

"صحبتِ صالح ترا صالح کند"

اللہ اُن کی قبر کو نور سے بھر دے۔

فقط

معین ۵/۲ ۱۹۶۱ء

کی گنتی ہوتی تھی۔ قریش قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش کے کئی خاندان تھے اُن میں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ بہت مشہور ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کا تعلق بنو اُمیہ سے تھا۔ آپ حضرت رسول اللہؐ سے والد کی طرف سے چوتھی پشت میں اور والدہ اروی بنتِ کریز کی طرف سے دوسری پشت میں جا ملتے ہیں حضرت عثمانؓ کا لقب ذوالنورین تھا۔ ذوالنورین کے معنی "دو نوروں والے صاحب" کے ہیں۔ وہ لقب اس طرح بنا کہ حضرت رسول اللہؐ کی دو صاحبزادیاں بی بی رقیہؓ اور بی بی اُم کلثومؓ ایک کے انتقال کے بعد ایک حضرت عثمانؓ کے عقدِ نکاح میں دی گئیں۔ جنگِ بدر کے دنوں میں بی بی رقیہؓ انتقال کر گئیں تو حضرت عثمانؓ اُداس اُداس رہنے لگے۔ حضرت صدیقؓ نے اُن کی اداسی کا سبب پوچھا تو کہا "ایک غم تو یہ ہے کہ ایک غم گسار بی بیؓ نے جُدائی کا داغ دیا، دوسرا غم یہ ہے کہ حضرت رسولؐ کے اہلبیت میں ہونے کے اعزاز سے بھی محروم ہو گیا۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا کہ آپؐ کے اہلِ بیت جنّت میں آپؐ کے ساتھ رہیں گے، وہ ساتھ داری بھی چھوٹ گئی۔"

جب یہ بات حضرت صدیقؓ کے توسط سے آپؐ کے کانوں تک پہونچی تو آپؐ نے اپنی چھوٹی صاحبزادی بی بی اُم کلثوم کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کرا دیا۔ تب سے حضرت عثمانؓ کا لقب "ذوالنورین" پڑ گیا۔ اِس لقب پر

عثمانؓ بہت ناز کرتے تھے۔ پہلی بی بی حضرت رقیہؓ سے ایک صاحبزادے حضرت عبداللہ ہوئے تھے۔ جو چھوٹے پن میں اللہ کو پیارے ہو گئے مگر انہی کے نام سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ قرار پائی۔

حضرت عثمانؓ کی پیدائش "فیل" کے واقعے سے چھ سال بعد شہر طائف میں ہوئی۔ جو آج بھی مکہ کے اطراف کے شہروں میں ایک مشہور شہر ہے۔ "فیل" کے واقعہ کی تفصیل تمہیں سورۂ فیل (الم تر کیف فعل..) پارہ (۳۰) میں ملے گی۔ اس کو ضرور پڑھو۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اور اس میں اللہ کی قدرت کی کئی نشانیاں ملیں گی۔

حضرت عثمانؓ حضرت نبیؐ سے عمر میں سات آٹھ سال چھوٹے تھے۔ لگ بھگ اسّی سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ وہ اوسط قد، خوبصورت، گندمی رنگ والے تھے۔ چہرے پر چیچک کے ہلکے نشان تھے۔ ہاتھ پاؤں کافی مضبوط، چوڑا سینہ اور پنڈلیاں گوشت سے بھری تھیں۔ آخری عمر میں بالوں میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ حضرت رسولؐ کے گھرانے کے سوا سارے عرب میں سب سے زیادہ شریف اور بڑا خاندان ان ہی کا تھا۔ قبیلۂ قریش کا قومی جھنڈا "عقاب" اسی خاندان کے پاس رہتا تھا جو بہت بڑے فخر کی بات تھی۔

تجارت آپؓ کا آبائی پیشہ تھا۔ اُن کے تجارتی قافلے عرصے سے ملکِ شام کی طرف جاتے تھے۔ اور واپسی میں خوب نفع کماکر لاتے تھے۔ گھر کا رکھ رکھاؤ بڑے ٹھاٹ بات کا تھا۔ اس لئے ان کی پرورش بڑے چاؤ سے ہوئی مگر اس لاڈ پیار کی پرورش نے انؓ کی ذاتی خوبیوں کو بگاڑا نہیں۔ آپؓ بچپن ہی سے خوب خیر خیرات کرنے والے ہمدرد انسان تھے۔ کسی کی تکلیف آپؓ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ جوان ہونے سے پہلے عرب کے شریفوں کی طرح کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور حضرت رسول اللہؐ کی طرح گھر کے اونٹ بکریاں بھی چرایا کئے۔ ایسا کرنا عرب کا قومی شعار کہلاتا تھا اور اچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ بچپن ہی سے پاک دل اور حیا والے انسان مشہور تھے۔ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا تھا "عثمان سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں" جب کبھی عثمانؓ حضرت نبیؐ کی محفل میں تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیتے تو آپؐ سنبھل کر اور کپڑے سمیٹ کر بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا "آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟" تو فرمایا "ان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر ہی واپس ہو جائیں گے"۔ تم نے شاید جمعہ کے خطبے میں خطیب صاحب سے سُنا ہوگا کہ "عثمان بن عفّان، صاحب الحیاء والایمان" اسلام قبول کرنے سے پہلے

بھی انہوں نے شراب کو منہ نہ لگایا اور نہ بتوں کے آگے اپنی پیشانی جھکائی اور نہ کوئی بے حیائی کا کام کیا۔ ان خوبیوں میں حضرت صدیق رضؓ اور وہ دونوں سب سے الگ اور بڑھے چڑھے تھے۔

اسلام میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے آبائی پیشے کو اپنایا، ذاتی شرافت، سچائی اور دیانت داری کی بناء پر خوب نام کمایا اور دولت بھی کمائی عفّان شام کی واپسی کے وقت ایک تجارتی سفر میں انتقال کر گئے اور اپنے بیٹے کے لئے بہت کچھ مال و دولت ترکے میں چھوڑ گئے۔ اُن کے ایمان لانے کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے تم اُسے اگلے خط میں پڑھو گے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم اس خط کو خوب پسند کرو گے۔ کیوں کہ حضرت عثمان رضؓ کے بارے میں اُن کے اسلام لانے سے پہلے کی بہت سی باتیں تمہیں معلوم ہونگی۔

فقط

تمہارا معین

# تیسرا خط

پیارے امین! دُعا سلام

آج وعدے کے مطابق حضرت عثمانؓ کے ایمان لانے کی تفصیل سُناتا ہوں۔ دیکھو! ایمان لانا بہت آسان ہے۔ کوئی زبان سے لاالٰہ الااللہ کہدیا اور دِل سے اِقرار کیا اور محمد کے رسُول ہونے کی گواہی دی "(اللہ کے سِوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے رسُول ہیں")، تو وہ اِیمان والا ہوگیا یوں سمجھو کہ دو بڑے بڑے میدان ہیں، دونوں کے بیچ میں ایک لکیر ہے ایک حد ہے چاہو اُسے حدِ فاصل کہہ لو، اِدھر کے میدان میں گمراہی ضلالت اور اندھیرا ہے، اُدھر کے میدان میں رہبری، ہدایت اور اُجالا ہے۔ کوئی اِدھر سے اُدھر حد کو پار کرلیا اور پوری طرح اُس میدان میں داخل ہوگیا تو وہ پکا مُسلمان ہوگیا۔ ایک پاؤں اِس میدان میں اور دوسرا پاؤں اس میدان میں رکھا تو اس کی اِجازت نہیں۔ "نیم دروں اور نیم بروں" کی گنجائش نہیں ورنہ وہ منافق کہلائے گا۔ "ماں دھوبن، باپ حجام بیٹے نِکلے بڑے گل فام"

والی بات ہو جائے گی۔ ایمان بس اتنا ہی سیدھا سادہ اور مختصر ہے

اک لفظ محبّت کا یہ اتنا سا فسانہ ہے

سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

مگر ایمان کی دولت کا ملنا ہر ایک کے نصیب کی بات نہیں۔ یہ دولت اُن لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جنکے بہت اُونچے نصیب ہوتے ہیں ؎

بُلبل کو گل ہو گُل کو چمن زار ہو نصیب

اک تم مجھے نصیب تو سارا جہاں نصیب

کہنے کو وہاں ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان بھی تھے۔ وہ کم بخت عمر بھر ایمان کی دولت سے محروم رہے یا پھر جب اُن کا دم خم ختم ہوا اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لیا کہ مقصد میں کامیابی ناممکن ہے تو اِسلام کی طرف جھکے ایسوں کو اللہ اور اُس کے رسولؐ نے معاف بھی فرما دیا۔ انھوں نے اپنی روش بدلی اور صحابہؓ کا مرتبہ پایا۔ بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے حضرت نبیؐ کی موجودگی میں آپؐ کی زبان سے حق کا کلمہ سُنا اور بلا جھجک اِسلام قبول کیا۔ مثلاً حضرت صدیقؓ، بی بی خدیجہؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ۔ بعض ایسے بھی تھے کہ بڑی دُشمنی، ضد، حجت و تکرار کے بعد اسلام قبول کیا جیسے حضرت عمرؓ وغیرہ۔ کئی تو ایسے بھی تھے کہ

پوری قوت لگا کر دیکھ لیا اور اسی میں بھلائی دکھائی دی کہ کسی ایک کے ہو رہیں جیسے خود ابوسفیان ۔ ان میں کئی ایسے بھی تھے دور رہ کر حضرتؐ کا نام سُنا، تعلیم و تلقین سُنی، حضرت رسولؐ کو آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر ہدایت ربی نے اُن کے دِلوں میں ایمان کا چراغ روشن کیا تو وہ کھنچے کھنچے چلے آئے یا یوں ملا حضرت رسولؐ اللہ کی خدمت میں آئے اور داخل اسلام ہوئے جیسے حضرت ابوذر غفاری اور سلمان فارسیؓ ۔ اس طرح کئی حضرات جیسے صحابہ جو "عشرہ مبشرہ کہلائے" بدری صحابہ کے نام سے مشہور ہوئے یہ بھی ہیں، وہ بھی ۔ حضرت رسولؐ اللہ کے تابعدار تھے، جانثار تھے ۔ کیا کہوں کیا کیا نہ تھے ۔ پھر آپؐ کے بعد جو اس حلقے میں داخل ہوئے وہ تابعین تبع تابعین کہلائے ۔ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور انشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گا ۔

اب یہ دیکھو کہ حضرت عثمانؓ کس زمرے میں آتے ہیں اور کس طرح آتے ہیں ۔ آج مجھے اس خط میں یہی بات کہنی ہے ۔ پہلے ہی ہم نے مان لیا ہے

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پہلی شرط یہ ہے کہ دل میں اچھی بات کو ماننے کی صلاحیت ہونی چاہیئے، جسے صفتِ قبولیت کہتے ہیں۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ آپ لاکھ سر کھپایئے نتیجہ صفر ہی ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ میں صفتِ قبولیت بلا کی تھی اچھی بات کو اچھی اسپرٹ میں فوراً مان لیتے تھے۔ تجارتی کاروبار کے سلسلے میں اپنے والد کے ساتھ ان کے سال کا بڑا حصّہ مکّے سے باہر گزر جاتا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد کاروبار جب اُن کے ہاتھ میں آئے تو ان کا زیادہ وقت مکّے سے باہر ہی گذرتا تھا۔ مگر جو واقعات اور نئے نئے حالات مکّے میں پیدا ہو رہے تھے اُن سے وہ بے خبر نہیں تھے۔ مکّے کے قیام کے دِنوں میں اُن کی خالہ سعدیہ جو کاہنہ تھیں اور جن کے بارے میں مشہور تھا کہ "وہ غیب کی باتیں بتاتی ہیں" اپنے بھانجے سے کہا کرتی تھیں کہ "مکّہ میں ایک نبی پیدا ہونے والے ہیں، وہ لوگوں کو حق کی طرف بلائیں گے"۔ چنانچہ اللہ نے حضرت محمدؐ کو نبی بنا کر بھیجا۔ تو یہ بات خالہ ہی کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کے کانوں تک پہنچی۔ جب شام کے سفر سے واپس ہو رہے تھے تو سوتے جاگتے میں ایک منادی کی غیبی آواز سنائی دی "مکّے میں احمد نام کے ایک حق پرست لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں"، تو اس وقت سے ہی اُن کے دل میں اِسلام کی طرف

جھکاؤ پیدا ہوا تھا۔ جب مکّہ پہنچے تو ایک طرف غیبی آواز کانوں میں گونج رہی تھی تو دوسری طرف سعدیہ کی بات دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ اُسی حال میں قبولیت پسند دل کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملنے گئے۔ آپس میں گفتگو ہوئی، صدیقؓ نے اِسلام کی دعوت دی اور دین کی خوبیاں بیان کیں تو دیکھا ؎

اب اُمنگیں اور ہیں جوشِ طبیعت اور ہے ۔: زندگی کی خواب راحت میں حقیقت اور ہے
گلشنِ ہستی کی اب نظروں میں حالت اور ہے ۔: گُل کی نکہت اور ہے سبزے کی رنگت اور ہے

کیا بتاؤں کونسا جلوہ تو نظروں میں ہے
اک نئی دُنیا کا نظارہ تری آنکھوں میں ہے

باتوں باتوں میں طے ہوا کہ " حضرت رسولؐ سے آپؓ کے دولت خانے پر جاکر ملیں گے" یہ باتیں ہی ہو رہی تھیں کہ حضرت رسول اللہؐ خود وہاں آموجود ہوئے جن سے ملنے جارہے تھے وہی وہاں تشریف لائے۔ حضرت رسول اللہؐ نے عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا " عثمان! اللہ کی جنت کو قبول کرو، میں تمام مخلوق کی رہبری کے لئے مبعوث ہوا ہوں"

حضرت عثمانؓ کا کہنا ہے " میں نہیں جانتا کہ اُن الفاظ میں کیا اثر تھا کہ میں نے سُنا اور بے تحاشہ قدم بڑھائے۔ رحمتِ عالمؐ نے میرے

ہاتھ تھام لئے میں نے کلمہ حق پڑھا اور خدا کی قدرت سے مسلمانوں کا چوتھا عدد بن گیا"۔ گویا وہ قدیم الاسلام کہلائے۔ وہاں چوں چرا، ردّ و قدح، شش و پنج، تذبذب، تشکک، غور و فکر اور "بعد میں فرصت سے دیکھا جائے گا" والی بات ہی نہ رہی۔ اِدھر جنت کی بشارت سُنی، اُدھر والہانہ ٹوٹ پڑے اور سابقون الاوّلون کے زمرے میں داخل ہو گئے۔ ان حضرات کی جماعت میں بھی گنے گئے جنھیں حضرت نبیؐ نے گن گن کر فرمادیا تھا "وہ جنتی ہیں"۔

سب سے پہلے سعد نے زمین ہموار کی، منادی نے مٹی نم کی، حضرت صدیقؓ نے اس میں بیج بویا، رحمتِ عالم نے آبیاری کی، رحمتِ مجسم نے پودا اگایا اور اس میں پھول پھل بھی لگا دیئے۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حضرت طلحہؓ بھی تھے وہ بھی اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمانؓ پہلے ہی دُنیا کی دولت سے مالا مال تھے، اب عقبیٰ کی دولت سے بھی مالا مال ہوئے حالات بھی ویسے ہی بنتے آئے۔ وہ دل لینا چاہتے تھے اور یہ دِل دینا چاہتے تھے، "لے اور دے کا سودا" خوب رہا ہے

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

# نذرِ عقیدت

## بہ پیشِ خدمت حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین خلیفۂ سوم

از: مُصنّف

حضرتِ عثمان غنیؓ، اے مخزنِ جود و عطا
صاحبِ علم و عمل، اے منبعِ شرم و حیا
تیری آمد پہ سمٹ کر بیٹھتے خیرالبشرؐ
کیوں کہ تجھ سے شرم کرتے تھے ملائک سبر
ذکر تھا ایماں کا تیرے ہر زبانِ خاص و عام
گوشہائے دو جہاں میں گونجتا تھا تیرا نام
تو بنا تھا بیعتِ رضواں کا موجب بامحل
دستِ سرکارِ دو عالمؐ تھا ترا نعم البدل
قتل کی افواہ تھی یا فتحِ مکہ کی نوید
سورۂ فتحِ مبین وابستہ تھی تجھ سے مزید

لاڈ و پیار کی زندگی ختم ہوئی، تقویٰ کی زندگی شروع ہوئی۔

امین! تم نے دیکھ لیا کہ حضرت عثمانؓ دنیاوی تجارت میں کافی آگے تھے اور آج دینی تجارت میں بھی بے بدل اور بے مثال کہلائے۔ کیا ہی اچھا نقد سودا تھا، اِس ہاتھ دیا اور اس ہاتھ لیا، اِسی لئے میں نے کہا تھا کہ "یہ سب کے نصیب کی بات نہیں، عقبیٰ کی دولت اُن کو نصیب ہوتی ہے جن کے بڑے اُونچے نصیب ہوتے ہیں"

تم میرے اگلے خط میں پڑھو گے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ چُپ یونہی چھوٹ نہیں گئے، بلکہ مسلمانوں کی طرح وہ بھی کافروں کی سختی کا نشانہ بنے اور کئی مصیبتیں اُٹھائیں۔ بڑے سخت اِمتحان انھیں بھی دینے پڑے۔ اُن کے حوصلے اور ہمت کی جانچ کَس کَس کر کی گئی مگر کامیابی مقدر ہو چکی تھی اُن کے پاؤں کیا ڈگمگاتے اور اِرادہ کیا ڈانواڈول ہوتا۔

فقط

تمہارا معین

# چوتھا خط

پیارے امین! دعا سلام

گزشتہ خط میں تم نے حضرت عثمانؓ کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل پڑھی۔ آج تم اِس خط میں پڑھو گے کہ اُن کے مسلمان ہونے پر اُنھیں کیسی کیسی اذیتیں دی گئیں۔ جب مکّے کے منکروں کو معلوم ہوا کہ عثمانؓ ہاتھ سے نکل گئے اور حضرت محمدؐ کے ماننے والوں میں مِل گئے تو اُن کے دِل بیٹھ گئے اور بغض و حسد کے شعلے اُن کے ناپاک من میں خوب بھڑک اُٹھے اُن سے بدلہ لینے اور اپنے آبائی دین کی طرف اُنھیں کھینچ کر لانے پر تل گئے مگر "یہ وہ نشہ نہیں تھا جسے کوئی ترشی اُتار دیتی"۔

یہ دل ہے جدھر آگیا آگیا ۔ جو ہونا تھا سب کچھ ہوا ہو گیا

تو مکّے والوں کی ساری کوششیں ٹھپ ہو کر رہ گئیں حضرت عثمانؓ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ جب ان کی ماں نے سُنا کہ اُن کے ۲۴ سالہ نوجوان بیٹے عثمانؓ نے اللہ کو ایک اور لاشریک مان لیا ہے اور حضرت محمدؐ کی بات قبول کر لی ہے تو وہ بہت برہم ہوئیں اور ناراض ہو کر بیٹے کو خوب ڈرایا

دھمکایا۔ چچا ابوالعاص نے تو اُن کی مشکیں کس دیں اور کہا "جب تک تم آبائی دین میں پلٹ کر نہ آؤ گے تمہاری مشکیں کھولی نہ جائیں گی بلکہ اور کس دی جائیں گی"۔ ایک دفعہ اُس ظالم چچا نے اپنے بھتیجے کو کھجور کی بوری کی دو تین پرتوں میں ایسا لپیٹا کہ اُن کا دم گھٹنے لگا۔ نہ صرف اتنا ہی کیا بلکہ نیچے سے گھُپ دھواں بھی دیا تاکہ اُن کا دم اور گھُٹے اور وہ گھبرا کر آبائی دین کی طرف لوٹ آئیں۔ مگر اللہ پر ایمان لانا کوئی کچے دھاگے کا کھیل نہ تھا جو ذرا کستے ہی ٹوٹ جاتا۔ مگر وہ حضرتؓ کے استقلال کو دیکھ کر خود ہی بیزار ہو گیا اور مشکیں کھول دیں۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ مکّے والوں کے ہر آڑے وقت میں کام آئے تھے۔ اُن کی خیر خیرات اور دل کھول کر دینے دلانے کے واقعات لوگوں کی زبان پر عام تھے۔ مگر ایسے موقعوں پر کسی کو کسی کا احسان کہاں یاد آتا ہے۔ سبھوں نے آپؓ کے پیچھے لغو لگانا شروع کر دیا اور بدسلوکی پر اُتر آئے حالانکہ یہی لوگ آپ کی فیاضی اور دریا دلی کے گیت کل تک گاتے اور آپ کا دیا کھاتے رہے تھے۔ سب سے زیادہ مکے والے ہی آپ کی خیر خیرات سے فیض پاتے رہے مگر آڑے وقت میں انھوں نے نہ صرف حفاظت سے ہاتھ اٹھالیا بلکہ ستانے والوں میں سب سے اُن ہی

کا ہاتھ تھا۔ ایک دفعہ مکّے کے کافروں نے انھیں راستے میں گھیر لیا، بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا، انجام سامنے تھا۔ خدا کی قدرت سے اُن کے ماموں وہاں آ گئے اور بیچ بچاؤ کر کے اُنھیں بدبختوں کے نرغے سے چھڑا لائے۔ حضرت رسول اللہ پر بھی ایسی ہی کئی آفتیں آن پڑی تھیں، حضرت صدیقؓ پیچھے پیچھے لگے رہتے تھے اور سرکار کو کافروں کے نرغے سے چھڑا لاتے تھے۔ اِس موقعہ پر مجھے اپنے وطن کا ایک واقعہ یاد آیا۔ میرے ایک عزیز قلعے کے دامن سے گزر رہے تھے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک ناگ ایک چیل کو کچھ اس طرح لپیٹ لیا تھا کہ اس بیچاری کے پَر کھل نہ سکتے تھے۔ اور وہ زمین پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میرے عزیز نے اس کی طرف ایک پتھر پھینکا تو سانپ نے گھبرا کر چیل کو چھوڑ دیا اور قریب ہی ایک بِل میں جا چھُپا۔ جب میرے عزیز گھر لوٹ رہے تھے تو وہی سانپ بِل سے نکل کر پھن کھولے سامنے کھڑا ہو گیا اور قریب تھا کہ اُنھیں ڈس لیتا۔ مگر خُدا کی کرنی دیکھو وہی چیل جو پاس ہی ایک درخت پر بیٹھی تھی بڑی تیزی سے ہوا میں غوطہ لگا کر سانپ پر جھپٹی اور اُسے اپنے پنجوں میں لے اُڑی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ حضرتِ انسان اشرف المخلوقات نے عثمانؓ کے ساتھ ھَلْ جزاءُ

الاحسان اِلا الاحسان کا معاملہ کیا یا مردارِ خوار چیل نے اِس آیت کی سچّی تصویر پیش کی ہے

بریں عقل و دانش بباید گریست

دیکھو ابین! ایمان کی دولت اللہ میاں کی بہت بڑی نعمت ہے وہ بے مانگے ملتی ہے۔ مانگنے پر جو چیز ملتی ہے وہ عارضی ہوتی ہے اُس میں غرض ہوتی ہے۔ چیز کے ملنے تک مانگنے والا آس اور یاس کی کیفیت میں رہتا ہے۔ اسے وہ چیز ملے یا نہ بھی ملے۔ جو چیز بے طلب ملتی ہے وہ دینے والے کی دین ہے۔ اس میں دینے والے کا کرم ہی کرم ہوتا ہے۔ وہاں غرض کا کوئی دخل نہیں۔ حضرت موسیٰؑ آگ لینے طور پر گئے تھے، اُنھیں وہاں بلا مانگے پیمبری ملی۔ حضرت محمدؐ غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے اُنھیں بلا طلب نبوّت ملی۔ یہ اوپر والے کا کرم ہے جسے چاہے دے، نہ چاہے نہ دے۔ باوجود پوری احتیاط کے فرعون کی حکومت کو تہ و بالا کرنے والے حضرت موسیٰ اُسی کے گھر میں پل کر جوان ہوئے۔ یہ اُسی کے کھیل ہیں، اُس کے بھید ہیں، وہی جانتے۔ کون جانے کل کیا ہونے والا ہے۔ حضرت غفاری مسلمان ہونے سے بہت پہلے اپنی سمجھ کے مطابق ایک اللہ کی نماز پڑھتے تھے اور مکے پہنچ کر اپنے

ایمانی پر مہر نبوت ثبت کرائی۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے بن دیکھے ہی حضرتؐ کا ذکر سُن کر ان دیکھے خُدا کا کلمہ دِل میں پڑھ لیا تھا اور مکّہ آکر اپنا آموختہ سُنایا اور دل کی بے چینی کو دور کر لیا۔ مگر ابوجہل کی بدبختی کہ سامنے ہدایت کا روشن چراغ موجود ہونے کے باوجود اندھیرے سے اُجالے میں نہ آیا، سیاہ رو تو تھا ہی سیاہ بختی نے اُسے گھیر رکھا تھا مگر حضرت عثمانؓ کی مثال ہی اور تھی۔ جن سے ملنے جا رہے تھے وہ خود آکر سامنے کھڑے ہو گئے۔

جاتا تھا جس کی کھوج میں میں بے خبر چلا
یارے اُسی نے چھیڑ کر پوچھا کدھر چلا

میرے اگلے خط میں تم پڑھو گے کہ حضرت عثمانؓ کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو کیا فائدے پہنچے اور حضرت رسول اللہ آپ سے کتنے خوش رہتے تھے۔

فقط

تمہارا مُعین

# پانچواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

میرے پچھلے خط میں تم نے پڑھا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے کس طرح اسلام قبول کیا تھا۔ اور یہ بھی پڑھا تھا کہ مانگنے پر جو چیز ملتی ہے وہ عارضی ہوتی ہے اور وہ بلا طلب ملنے والی چیز کے برابر نہیں ہو سکتی

بے غرض جو ملا، ملا مجھ کو
بے طلب جو دیا، دیا تو نے

مگر امین! مجھے یہاں ایک بات کا ڈر لگا، کہیں تم مجھے غلط نہ سمجھ بیٹھو کہ مانگنے سے میں نے تمہیں روکا ہے۔ اور اُلٹا سبق پڑھایا ہے "پھر مانگ پھر مانگ ....."

"ایں درگہ ما درگہ نا اُمیدی نیست
صد بار اگر تو بہ شکستی باز آ"

بزرگوں کے ان ارشادات کی روشنی میں تمہیں اُلٹا سبق کیسے پڑھا سکتا ہوں۔ میں نے کہا دینے والے سے مانگو، اُس سے مانگو جو تمہیں کچھ دے

سکے۔ وہ تمہیں کیا دے گا جو خود محتاج و مجبور ہے۔ بندہ محتاج ہے اور اللہ مالک و مختار۔ اللہ بے نیاز ہے، بندہ معذور و لاچار۔ اللہ تعالیٰ معذوروں کا سہارا ہے اسی لئے تمہیں کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو مگر شرط یہ ہے کہ فقیر کی صدا دل گیر اور دل کو چھیڑنے والی ہو۔ صدا، صدا میں فرق ہوتا ہے۔ ایک صدا ایسی ہوتی ہے کہ دل میں اُتر جاتی ہے۔ کوئی صدا دل کو اس حد تک چھین لیتی ہے کہ دینے والے کو کچھ نہ کچھ دیتے ہی بن پڑتی ہے۔ تم اپنی صدا ایسی بناؤ جو سُننے والے کے دل کو چھین لے اور اُسے کچھ دیتے ہی بن پڑے۔ بزرگوں نے مانگنے کے آداب بھی سکھائے ہیں۔ مانگنے کے لئے بھی سلیقہ چاہئیے ؎

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو ؛ منت سے سماجت سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو ؛ بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

ایں! باتوں باتوں میں بہت دور نکل گیا، کہنا چاہتا تھا کچھ مگر کچھ اور کہہ گیا، کام کی بات ہوتی ہے یا نہیں ہوئی تو خیر مگر مجھے اپنی صفائی بھی پیش کرنی تھی۔

میں کہنا چاہتا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں اور خاص کر اسلام کو کیا فائدہ پہنچا۔

۱۔ سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ خاندانی بڑائی جو ایک سماجی بُرائی تھی دور ہوگئی۔ یہ بُرائی قریش والوں میں ایک عرصے سے چلی آرہی تھی اور ہر خاندان اپنی بڑائی جتانے کی دُھن میں دن رات لگا ہوا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ نے اپنے خاندان کے تمام لوگوں کی بات کاٹ کر ایک ہاشمی فرد کی بات مان لی تو اُن کے سینوں میں حسد کی آگ بھڑکی اور خوف پیدا ہوا کہ کہیں مکّے کی سرداری ہاتھ سے نکل کر ہاشمی خاندان میں نہ چلی جائے۔ اِس لئے حضرت رسولؐ اللہ کی تعلیم کو دبانے کے لئے ان لوگوں نے اپنی ساری قوّت لگادی۔ چنانچہ عقبہ بن معیط، ابوسفیان اور دوسرے سردار فتح مکّہ کے دِن تک ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ بنو اُمیّہ والے حضرتؐ سے پہلے ہی خار کھائے ہوئے تھے، اب تو حضرت عثمانؓ کے ایمان لانے کے سبب منہ کی بھی کھا گئے۔

۲۔ حضرت رسولؐ نے بڑی حکمت اور دانائی سے کام لے کر اپنی دو صاحبزادیوں (بی بی رقیہؓ اور بی بی اُم کلثومؓ) کو یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے عقدِ نکاح میں دیا (جو اُموی تھے) اور اُن دو مخالف خاندانوں میں برابری قائم کردی (اس کی تفصیل میرے کسی اگلے خط میں پڑھو گے) یہی نہیں بلکہ اپنی بڑی صاحبزادی بی بی زینبؓ کا عقد حضرت

ابوالعاصؓ سے کرایا جو حضرت عثمانؓ کے چچا تھے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے بھی حضرت معاویہؓ کی بہن سے شادی کی تھی۔ اِس طرح خاندانی میل ملاپ نے نہ صرف ایک سماجی بدی مٹا دی بلکہ آگے چل کر یہ ملاپ بہت کام آیا۔ تم جانتے ہو کہ اِنسانی مساوات ہمارے دین کی بنیاد بھی ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی یا عجمی کو عربی پر بڑائی نہیں اِلّا تقویٰ کی بنیاد پر۔

۳۔ اِسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں اور پورے اِسلام کے ساتھ فیاضی اور دریا دِلی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۴۔ یہ حضرت عثمانؓ کی عادت تھی کہ ہر سال حج کو جاتے تھے تو منیٰ میں اپنا ڈیرہ لگوا کر حاجیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ جب تک تمام حاجی کھانے سے فارغ نہ ہو پاتے تھے تب تک آپؓ اپنے ڈیرے میں نہ جاتے تھے۔ اس کھانے کا سارا خرچ اپنی ذات سے برداشت کرتے تھے۔

۵۔ یہ تو خلافت کے زمانے کی بات تھی۔ اس سے پہلے بھی ایسے کئی موقعے آئے جن میں حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کی بڑی مدد کی۔ تبوک کی جنگ میں مسلمان سپاہی کھانے پینے کی تنگی کی وجہ سے بے حد پریشان تھے۔ تمام جنگوں میں یہ جنگ مسلمانوں کے حق میں بڑی سخت تھی۔ وہ تنگی

کتنا پیارا ذوالنورین تھا تیرا لقب

تھا بہت مسرور و نازاں اس لقب پر ہر عرب

بیرِ رومہ کی خریداری ترے حصے میں تھی

یعنی ناداروں کی سیرابی ترے حصے میں تھی

تو سریرآراءِ ملکِ مصر و روم و شام تھا

کیوں تماشہ بیں نبی تھی اُمتِ خیر الوریٰ

ہائے! کس بیچارگی میں قتل تیرا ہو گیا

سر کتاب اللہ پہ رکھ کر تھا گویا سو گیا

دم بخود بس زوجۂ اطہر ہی اُن کے پاس تھیں

تھی زباں مصروفِ وردِ کلمۂ حق میں وہیں

صرف سُولہ تھے صحابی تیری میت کے شریک

تیرگی میں رات کی چھپتے چھپاتے تھے شریک

تھے مدینہ میں ہزاروں صاحبانِ بادِ قار

پر بوقتِ قتل گھر پر ایک دو تھے جانثار

سابقون الاوّلوں اُن میں تھے اصحابِ بدر

کیا مجال اپنی کہ لاؤں حرف اُن کی ذات پر

حضرت عثمانؓ کی فراخ دلی اور فیاضی کی وجہ سے رفع ہوئی۔ انھوں نے اونٹوں پر اناج غلّہ اور کھانے پینے کی دیگر چیزیں اتنی مقدار میں منگوائیں کہ تمام مسلمان کی کھانے پینے کی ضرورتیں پوری ہوئیں۔ یہ دیکھ کر حضرت نبی کریمؐ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی "اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں، تو بھی اُن سے راضی ہو جا" اور تمام مسلمانوں سے کہا "تم بھی عثمانؓ کے لئے دُعا کرو" تو سبھوں نے اللہ پاک سے دُعا مانگی۔

۶۔ حضرت رسولؐ اللہ کے آخری دور میں ایسی ہی ایک اور جنگ کا موقعہ پیش آیا۔ اس وقت بھی غازیوں کو کھانے پینے کی بڑی تنگی آن پڑی تھی۔ تو حضرت عثمانؓ سارے لشکر کے لئے کھانے کا سامان اپنے صرفے سے منگوایا تھا۔

۷۔ جنگ تبوک میں حضرت رسولؐ اللہ صحابہؓ کو ترغیب دے رہے تھے کہ اپنے زر و مال سے جنگ کا سامان مہیا کریں۔ ہر صحابیؓ نے اپنی حیثیت کے موافق رقمی اعانت فرمائی۔ جب حضرت عثمانؓ کی باری آئی تو آپ نے دس ہزار سپاہیوں کے سامانِ جنگ کی سرباہی اپنے ذمہ لی۔ حتیٰ کہ سپاہیوں کے لئے ایک ایک تسمہ تک اپنے روپے سے خریدا۔ اس جنگ میں ۳۰ ہزار پیادہ، ۱۰ ہزار سوار شریک تھے۔

اِس سربراہی کے علاوہ عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ، ۷۰ گھوڑے پورے ساز و سامان کے ساتھ فراہم کئے۔ اِن کے علاوہ ایک ہزار دینار بھی حضورؐ کی خدمت میں پیش کئے۔ تو حضرت نبی کریمؐ انھیں اُچھال اُچھال کر خوشی کا اظہار فرما رہے تھے۔

۸۔ ایک مرتبہ ۴ دن تک آلِ رسولؐ کو کھانا میسر نہ ہوا۔ حضرتؐ باہر سے تشریف لائے اور بی بی عائشہؓ سے پوچھا "تمہیں کھانے کو کچھ ملا؟" جواب دیا "نہیں"۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے وضو فرمایا اور نفل نماز ادا کرنے مسجد میں چلے گئے۔ نماز کے بعد حضرتؐ نے دُعا مانگی۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ بی بی عائشہؓ کے حجرہ کی طرف گئے اور اجازت چاہی۔ بی بیؓ نے پہلے تو پس و پیش کیا، پھر خیال کیا کہ اللہ نے شاید اُن کو نیکی کی صورت میں یہاں بھیجا ہو تو بی بیؓ نے اِجازت دیدی۔ انھوں نے حضرت نبی کریمؐ کا حال پوچھا تو فرمایا "آلِ رسولؐ نے آج چار دِن سے کچھ کھایا نہیں"۔ تو وہ زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا "اے اُمّ المومنینؓ! آپ کے لئے یہ سزاوار نہیں تھا کہ آلِ رسولؐ پر ایسا وقت آئے اور مجھے بے خبر رکھا جائے"۔ یہ کہہ کر عثمانؓ لوٹے اور واپسی میں آٹا، گیہوں، کھجوریں، تین سو درہم اور ایک بکرا ساتھ

لے آئے اور کہا " یہ ہدیہ ہے اِسے قبول فرمائیے ، میں پکا ہوا گوشت لاتا ہوں"۔ چنانچہ روٹیاں اور پکا ہوا گوشت لاکر پیش کیا ۔ اور بی بی ؓ کو قسم دلائی کہ جب کبھی ایسی مشکل آن پڑے تو اُنھیں ضرور خبر کرنا ۔ نماز کے بعد حضرت رسولؐ گھر تشریف لائے اور بی بی ؓ سے پھر پوچھا تو کہا " آپؐ دُعا کے لئے مسجد میں گئے ۔ اللہ نے آپؐ کی دُعا کو کبھی رد نہیں کیا"۔ پھر جو کچھ گزرا سُنایا ۔ آپؐ دوبارہ مسجد میں گئے اور حضرت عثمانؓ کے لئے دُعا مانگی ۔ اور اُن سے کہا " اے عثمانؓ ! اللہ نے تمہارے سارے گناہ معاف فرمادیئے جو کچھ اب تک تم سے ہوئے اور آگے ہوں گے خواہ چھپ کر یا ظاہر "۔

امین ! حضرت عثمانؓ ! کی فیاضی کی اور مثالیں اگلے خط کے لئے اُٹھائے رکھتا ہوں ۔ اللہ پاک سے میری دُعا ہے کہ وہ اگر کسی کو دولت دے تو دِل بھی دے ، یعنی دل کی دولت بھی دے ۔ ان دونوں کا مِلاپ بڑا نیارا ہوتا ہے ۔ دِل والا اپنی دولت سے یہاں ایسی کھیتی بوتا ہے جس کی فصل وہاں تیار ہوتی ہے ۔ یہاں ایک دانے کے بدلے وہاں ہزار دانے مِلتے ہیں ۔ اِس کھیتی کو کوئی جوکھم نہیں ۔ نہ اُسے کیڑے مکوڑے چاٹیں گے اور نہ بے ہنگام طوفانی بارش کا خدشہ لگا رہے گا ۔ دیکھو یہ کتنی

اچھی کھیتی باڑی ہے۔ اُس کے مقابل ایک کے پاس بے حساب دولت ہے مگر دل نہیں ہے۔ اُسے سینت سینت کر رکھتا ہے۔ دولت کی غرض و غایت کے معنی ہیں حاجت روائی۔ ایسی دولت جو دوسروں کے کام نہ آئے اس کے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔ اسے تجوریوں میں بند اور زمین میں دفن کر کے رکھنے کے باوجود جو کم ہے اور سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ دولت والے کو دِل کا سکون نصیب نہیں ہوتا۔ سورۃ توبہ میں اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں کے لئے سخت وعید نازل فرمائی ہے۔ یہی چاندی اور سونے کے ٹکڑے جنھیں وہ سینت سینت کر رکھتے ہیں قیامت کے دن انگارے بن جائیں گے کہ وہ جسم کی ایک طرف سے ہڈیوں کو توڑ کر دوسری طرف نکل جائیں گے۔ اِسی لئے جب اللہ تمہیں کچھ دے تو اپنے اور اپنے بال بچوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے بعد کچھ بچے تو اُسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دو۔ یہ ضروری نہیں کہ تمہاری خیرات ہزاروں کی ہو۔ دِکھاوے سے پاک اور خلوص سے بھرا ایک پیسہ ہزار روپیوں سے بہتر ہے۔ گائے کے دودھ کا ایک چمچہ گدھے کے ایک گھڑے دودھ سے بہتر ہے۔ خلوص بھری ایک مٹھی ہزار من چاول سے بہتر ہے۔ قلت میں برکت ہے افراط میں نہیں۔ اِس لئے تم یہ نہ دیکھو کہ تمہارے

ایک نوالے سے کیا ہوگا۔ اُسے اللہ پر چھوڑ دو وہ دیکھ لے گا کہ تمہارے ایک نوالے میں کیا چھپا ہے۔ یہاں مقدار کی اہمیت نہیں ہے، نیت کی اہمیت ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ نمائش اور غرض سے پاک ہو۔ ایک ہاتھ سے ایسا دو کہ دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ تمہاری کمائی کا صحیح مصرف یہی ہے۔ یہ نہ دیکھو کہ آج میرا بچا کچا اٹھا کر کسی کو دے دوں تو کل میرے کاموں کا کیا ہوگا۔ اُس پر بھروسہ اور یقین رکھو وہ سب کچھ کر دے گا اور کچھ اِس طور پر کر دے گا کہ تمہیں کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ اللہ نے تمہیں دولت اِس لئے دی کہ اُسے دوسروں پر بھی خرچ کرو۔ وہ تمہارے ہاتھ سے دوسروں تک پیسہ پہنچانا چاہتا ہے گویا وہ پیسہ تمہارا نہیں بلکہ تم ایک ذریعہ ہو۔ ایسے ہی جیسے ماں کے سینے میں دودھ ڈالنا اللہ کا کام ہے اور شیر خوار کو دودھ پلانے میں ماں ایک ذریعہ ہے۔ اگر ماں بچے کو دودھ نہ پلائے گی تو جمع ہوئے دودھ کی وجہ سے ماں کے سینے میں فساد پیدا ہو سکتا ہے اور آپریشن کی نوبت آسکتی ہے۔ اِس لئے پیسہ کماؤ مگر جائز طریقے سے، جمع رکھو مگر بقدرِ ضرورت، خرچ کرو مگر اسراف سے بچو۔ جو کچھ بچے اُسے ضرورتمندوں کو دو مگر ریا سے پاک ہو ورنہ یہی پیسہ پریشانیوں کا پلندہ بن جائے گا۔

(یہی بات حضرت ابوذر غفاری نے کہی اور قرآن کے حوالے سے کہی۔
مگر ذرا شدت سے کہی تو حضرت غفاریؓ کے خلاف جو اسلام کی تبسیح کے پانچویں دانے تھے) بات کا بتنگڑ بنایا گیا اور انھیں کمیونسٹ ذہنیت والے "مالداروں کے دشمن" کا نام دیا گیا۔ اِس کی تفصیل تمہیں میری کتاب "باپ کے خطوط بیٹے کے نام" سیرت حضرت ابوذر غفاری میں ملے گی۔ وہاں تم دیکھو گے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت اُن بزرگؓ میں "خصومت" کی بات اُڑادی اور رائی کا پہاڑ بنایا گیا اور فتنہ کھڑا کرنا چاہا۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ اُن کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ وہ جلاوطن نہیں کئے گئے بلکہ حضرت غفاریؓ صحت کی خرابی کی وجہ سے دیہات کی آب و ہوا چاہتے تھے وہ اپنی خوشی سے زیدا قریہ میں جہاں مشکل سے ۲۵، ۳۰ خاندان رہتے تھے جاکر قیام کیا۔ وہاں وسیع سرکاری چراگاہ تھی، سرکاری دُبلے اور کمزور اُونٹ چرائی کے لئے وہیں چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ اس بستی میں ایک مسجد تھی۔ اس کے پیش امام ایک غلام تھے۔ وہ حضرت غفاریؓ سے بار بار امامت کے لئے اصرار کرتے تو حضرت غفاریؓ فرماتے کہ "آپ سرکاری طور پر مامور کئے گئے ہیں۔ اِس لئے سب کے امام ہیں"۔ ایسے پیارے انسان کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی ناراضگی کی بات اُڑادی گئی جو سراسر غلط ہے۔ فقط تمہارا معین۔

# چھٹا خط

پیارے امین! دُعا سلام

میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا پچھلا خط تمہیں کیسا لگا۔ میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ تمہاری ضرورت سے زیادہ تمہارے پاس کچھ بچ رہا ہے تو تم اُسے محتاجوں تک پہنچا دو۔ یہ نہ دیکھو کہ وہ پھر تمہارے پاس کہاں سے آئیگا چشمے سے پانی نکالو تو چشمہ خشک نہیں ہوتا بلکہ اُس کے اندر نئے سوتے اور پھوٹیں گے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے تازہ اور میٹھے پانی سے بھر جائے گا اگر دیتے دیتے تمہاری جیب خالی ہو جائے گی تو اوپر والا تمہاری جیب کچھ اس طرح بھر دے گا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ ممکن ہے تمہیں تمہارے فرائض سے ہٹ کر کوئی زاید کام مل جائے جس سے تمہاری آمدنی میں اضافہ ہو سکتا ہے یا اس کے کرم کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمہیں اور تمہارے بال بچوں کو دکھ درد اور بیماریوں سے محفوظ رکھے۔ پیسے کی ضرورت اُس وقت ہوتی ہے جب کہ تم پر کوئی حاجت آن پڑے۔ جب حاجت نہیں تو پیسے کی ضرورت بھی نہیں۔

## حاجت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے

میرا پچھلا خط تمہارے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کا ذریعہ بھی ہے۔ تم دیکھو گے کہ حاجت روائی کرنے والے کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کتنا قریب اور عزیز رکھتے ہیں۔ آج وعدے کے مطابق حضرت عثمانؓ کی دریا دلی کی چند اور مثالیں پیش کرنا ہے۔

حضرت صدیقؓ کی خلافت کے دور میں ایک دفعہ مدینہ میں بہت سخت قحط پڑا۔ غریبوں اور مسکینوں کا بُرا حال ہو گیا۔ امیر بھی پریشان تھے مگر وہ بہرحال اپنے کھانے کا اِنتظام کر لیتے تھے۔ حضرت صدیقؓ نے غریبوں سے فرمایا "اللہ تعالےٰ آج شام تک تمہاری پریشانی دور کر دیں گے"۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے ایک ہزار اُونٹ اناج غلّہ سے لدے ہوئے مدینہ کی منڈی میں آئے تو وہاں کے بڑے بڑے تاجر مال کی بولی لگانے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا "تم میرے مال پر کتنا منافع دو گے؟" تاجروں نے کہا "دس کے بارہ" حضرتؓ نے کہا "مجھے اس سے زیادہ منافع ملتا ہے" تو انھوں نے کہا "دس کے پندرہ لے لیجئے"۔ حضرت بولے "مجھے اس سے بھی زیادہ

منافع مل رہا ہے۔" تو تاجر حیران ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے "وہ کون ہے جو ہمارا معاملہ بگاڑ رہا ہے؟" آخری بولی پر عثمانؓ بولے "مجھے ایک کے دس مل رہے ہیں"۔ تو تاجر عاجز آ گئے۔ تب عثمانؓ نے کہا "تم سب گواہ رہنا، میں نے سارا مال اللہ کی راہ میں غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیا"۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا کہنا ہے "میں نے اُس روز حضرت رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نورانی لباس میں ترکی گھوڑے پر سوار ہیں اور نکلنے کے لئے جلدی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا! حضورؐ! ایسے بھی کیا جلدی ہے، دنوں کے بعد دیدار نصیب ہوا ہے، ذرا دم تو لیجئے" تو جواب میں فرمایا "عثمانؓ کے غلّے کے ۔۔۔ ہزار اونٹ غریبوں میں تقسیم کر دیئے ہیں۔ اللہ نے اس خیرات کو قبول فرمایا ہے اور جنت میں ایک دُلہن سے اُن کا عقد طے کیا ہے، عقد کی محفل میں شرکت کے لئے مجھے جانا ہے"۔ حضرت عثمانؓ کے صدقے اور خیرات کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر جُمعہ ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ اُن دنوں جب شریروں نے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا تو اس وقت بھی کئی غلام آزاد کئے جو ملک شام سے آئے ہوئے تھے۔ ایک ہی دن میں ۱۹، ۲۰ غلام آزاد کئے تھے۔

سرکارِ دو عالمؐ کے زمانے میں مدینے میں میٹھے پانی کی ایک ہی باؤلی تھی۔ وہ ایک یہود کے قبضے میں تھی۔ مُسلمانوں کو وہ بہت بھاری قیمت پہ میٹھا پانی فروخت کرتا تھا۔ امیر لوگ بھاری قیمت ادا کر کے اس سے میٹھا پانی لے لیتے تھے مگر غریب مجبوراً کھاری پانی پر ہی اکتفا کر لیتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "جو کوئی اس باؤلی کو خرید کر مُسلمانوں کے حق میں وقف کر دے گا جنت میں اُسے تازہ پانی کا چشمہ اللہ کی طرف سے عطا ہو گا" تو حضرت عثمانؓ نے اس باؤلی کو بارہ ہزار میں خرید کر مُسلمانوں کے حق میں وقف کر دیا۔ مگر وہ یہودی تھا بڑا مکار۔ اس نے کہا "میں نے نصف باؤلی فروخت کی ہے" یہ کہہ کر اس نے باؤلی پہ باری لگا دی۔ یہودی نے دیکھا کہ مسلمان اپنی باری کے دن دو دو دِن کا پانی جمع کر کے محفوظ کر لیتے تھے اور اس کی باری کے دن پانی خریدنے اس کے پاس کوئی جاتا ہی نہ تھا۔ وہ مجبور ہو کر باؤلی کا دوسرا حصّہ بھی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ ۸ ہزار کے کم بیچ دیا۔ انھوں نے اُسے بھی مسلمانوں کے حق میں وقف کر دیا۔ (اور اسی باؤلی کا پانی حضرتؓ پر ان کی گھر قید کے زمانے میں بند کر دیا تھا۔)

مسلمانوں کو نماز کے لئے مسجد کی ضرورت تھی۔ حضرت رسول اللہؐ

تو اصولِ صلح کُل کا درس دیتا ہی رہا

آخری دم تک خراجِ اہلِ دل لیتا رہا

پر خُدائی فیصلہ فی الواقعی ہو کر رہا

یعنی قتلِ حضرتِ عثمان غنی رضؓ ہو کر رہا

---

لہ بعض جگہ بعضوں نے صرف پانچ حضرات بتائے ہیں جن میں ایک خاتون صاحبہ حضرتؓ کی اہلیہ محترمہ تھیں جو رات کی تاریکی میں چراغ پکڑے چل رہی تھیں۔

نے زمین کا ایک ٹکڑا خرید کر مسجد بنوائی تھی۔ اُس کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ مدینے میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی تو وہ مسجد ناکافی محسوس ہوئی تب سرکارؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا "مسجد سے متصل دو مکانات فروخت ہونے والے ہیں۔ اگر کوئی صحابی انھیں خرید کر مسجد کو دیدے تو انھیں جنت میں عالیشان مکان اللہ کی طرف سے عطا ہوگا"۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ آگے بڑھے اور ان مکان کو خرید کر مسجد کے لئے وقف کر دیا تو مسلمانوں کی بہت بڑی ضرورت پوری ہوئی۔ حضرت رسولؐ نے عثمانؓ کے لیئے دُعاء خیر مانگی۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں اُسی مسجد کی چھت کو پختہ بنانے کی بات اٹھی تھی کیونکہ برسات کے موسم میں نمازیوں کو بڑی تکلیف ہوئی تھی اور صحن میں سے گزرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا، "بیت المال سے مسجد کی چھت بنانا مناسب نہیں ہے۔ ہاں کوئی صاحب ذمہ لیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔" حضرت عثمان چُپ ہو گئے مگر اپنے دورِ خلافت میں ذاتی صرفے سے اس تکلیف کو دور کیا جس سے مسجد کی وسعت بڑھ گئی اور برسات کا خطرہ بھی دور ہو گیا۔

امین! ان مثالوں کو پڑھنے کے بعد تمہارے دل میں بھی حضرت

عثمانؓ کے لئے ایک خاص مقام پیدا ہو گیا ہو گا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو ہر ایک شخص پسند کرتا ہے، نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ دل اور نگاہ میں بسا لیتا ہے۔ اللہ کے پاس بھی ایسوں کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ دولت اور دریا دِلی دو الگ الگ چیزیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور بڑی مشکل سے ایک جگہ جمع ہوتی ہیں۔ کسی کے پاس دولت ہے مگر دل نہیں۔ کوئی دریا دل ہوتا ہے مگر اس کے پاس دولت نہیں۔ جب کسی کے پاس دولت ہے اور دریا دلی بھی ہے تو ایسے کے کیا کہنے۔ وہ تو نُورٌ عَلٰی نُورٌ ہے۔ وہ اِنسان ضرور ہے مگر اس کے آگے فرشتے بھی مات کھا جاتے اور نادم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی موقعوں پہ اِنسان کا مرتبہ فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے۔ اس کو صرف عزت کے لائق سمجھنا کافی نہیں بلکہ اس پہ جان اور دل اگر وار بھی دیں تو کم ہے۔

دِل والوں کی سچی مثالیں اگر تمہیں دیکھنا ہو تو تم میرے ساتھ ایک دِن صبح کے وقت دبیر پورہ ریلوے اسٹیشن چلو۔ وہ گھر سے بہت قریب ہے۔ وہاں چل کر دیکھو چار پانچ فقیر صبح کی پھیری میں کھانا، سالن اور چند ٹکڑے روٹی کے اپنی جھولیوں میں لے آتے ہیں اور ایک حلقے کی شکل میں بیٹھ کر اپنی اپنی جھولیاں کھول دیتے ہیں۔

اُن میں سے ایک فقیر اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے اور دور پڑے ہوئے ایک معذور فقیر کو اپنے ہاتھوں سے بٹھا کر اس کے منہ ہاتھ دھلاتا ہے اور گود میں اُٹھا کر اپنے حلقے میں لے آتا ہے۔ ہر ایک فقیر اپنی جھولی میں سے تھوڑا کھانا، سالن اور روٹی کا ایک ٹکڑا نہ صرف دیتا ہے بلکہ اپنے ہاتھ سے کھلاتا بھی ہے۔ معذور فقیر بھی اُن کے ساتھ کھا پی کر خوش ہوتا ہے۔ معذور ہونے کے سبب وہ پھیری نہیں لگا سکتا تھا۔ یہ فقیروں کی دریا دلی ہے۔

دیا دستِ تہی کے ساتھ طینت میں کرم یارب
میں تیری شان کے قربان، کیا اچھی تلافی کی۔

تم نے پُرانے قلعوں کی فصیلیں دیکھی ہیں۔ اُن کے پتھروں کے درمیان برگد کے ہرے بھرے درخت دیکھے ہیں۔ اُن پتھروں میں پانی اور اُنکی جڑوں کو مٹی کی غذا کہاں سے ملتی ہے۔ مگر وہ موٹے موٹے چوڑے چوڑے ہرے بھرے پتوں کے ساتھ سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں اللہ تعالےٰ کی رزاقی اور دریا دلی ہے کہ ہر ایک کو حسبِ ضرورت ایسی جگہ سے غذا پہنچاتے ہیں جہاں اس کا وہم و گمان تک نہیں ہو سکتا۔

طلبِ رزق میں حیران کیوں ہے اے غافل
دیکھ! پنجرے میں پرندے کو غذا ملتی ہے

یہ دِل والوں کی باتیں ہیں۔ اِسی لئے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ قبولیت پسند دِل چاہیئے۔ مجھے افسوس ہے کہ خط لمبا ہو گیا اور حضرت عثمانؓ کی سیرت والی بات پیچھے رہ گئی۔ اس لئے میرے اگلے خط کا اِنتظار کرو۔ بہت دن ہوئے مجھے تمہارا کوئی خط نہ مِلا۔ گاہے گاہے لکھا کرو۔ اس سے مجھے اطمینان ہوگا کہ میرے خطوط تمہیں وقت پر مِل رہے ہیں، وہ تمہیں کس حد تک پسند ہیں اور تم ان سے کتنا درس لیتے ہو۔ فقط

تمہارا
معین

# پیارے بیٹے کا دوسرا جوابی خط

ابّا! السّلام علیکم.

آپ کے تمام خط ہمیں مِل رہے ہیں اور ہماری معلومات بڑھا رہے ہیں۔ آپ کی مثالیں بڑی اچھی ہوتی ہیں۔ "چشمے کا پانی" حاجت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے" ایک کے دس مِلنا" خواب میں سرکارِ دوعالم ؐ کی سواری" ہر جمعہ ایک غلام آزاد کرنا" رومہ باؤلی کی خریداری" مسجد کے لئے دو مکانوں کا وقف" دولت اور دریا دلی کا ایک جگہ جمع ہونا" تہی دستی اور تلافی" پتھروں میں پودوں کی سرسبزی" پنجرے میں پرندوں کو غذا مِلنا یہ ساری باتیں بڑی عجب اور دل کو لگتی ہیں۔ خدا کی رزاقیت اور اس کی دریا دِلی" ایک طرف سے ہاتھ تنگ کر کے دوسری طرف سے دِل کشادہ کرنا" ایک چیز نہ دے کر دوسری طرف سے اس کی تلافی کرنا ــــ اِن باتوں پر تمام دِن سر دھنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ ہمیشہ ہم کو یہی کہتے ہیں کہ بزرگوں کے قصّے پڑھو اور ان کے واقعات پر نظر رکھو۔

یہ بہت اچھی ہدایت ہے ۔ اُن سے ہماری سیرت بھی بنتی ہے اور ہم بھی لوگوں میں عزّت کے قابل بنتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو صحت اور قوت دیں کیونکہ آپ کے توسط سے بزرگوں کی باتوں کو آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سُننے کا موقع ملتا ہے ۔

فقط

آپ کا ' امین

# ساتواں خط

پیارے امین! دُعا سلام۔

تمہارا خط ملا، دل کو خوش کیا۔ اللہ تعالےٰ تمہیں اچھی توفیق دیں۔ بزرگوں کی مثالیں سامنے رکھ کر اُن پر چلنے کی تمہیں توفیق دے۔ ان خطوں کے لکھنے میں میری غرض بھی یہی ہے کہ تمہارے کردار سنور جائیں، یعنی اللہ پاک سے میں جو مانگتا ہوں وہ تجھے مل جائے۔

میں نے اپنے کسی خط میں لکھا تھا کہ "ذوالنورین" کی وضاحت آگے چل کر کروں گا۔ اسی بات کو ذہن میں رکھ کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔

عربی زبان میں "ذو یا ذی" "صاحب یا والے" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ذوالجلال، ذوالقدر یا ذی شان یا ذی الحجہ۔ تم نے جاپیڑی میں ایک اصطلاح پڑھی ہے "ذوارلعۃ الاضلاع" وہاں بھی یہی معنی لئے گئے ہیں۔ "چار ضلعے والے صاحب"، نورین اسم تثنیہ ہے "دو نوروں یا دو نور"۔ جیسے زوجین، قبلتین۔ اب ذوالنورین کے معنی ہوئے "دو نوروں والے صاحب"۔ یہ حضرت عثمانؓ کا لقب بھی ہے

اِس طرح کہ حضرت رسول اللہؐ کی دو صاحبزادیاں (بی بی رقیہؓ دوسری صاحبزادیؓ) اور ان کے اِنتقال کے بعد (بی بی اُمّ کلثوم چھوٹی صاحبزادیؓ) حضرت عثمانؓ کے عقد نکاح میں آئیں۔ دو صاحبزادیاں حضرت رسولؐ کے دونور (یعنی آنکھوں کے نور) تھیں۔ اِس لئے اُن کا لقب ذوالنورین ہوا۔ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ اس لقب پہ بہت فخر کرتے تھے۔ یہ سعادت کسی اور صحابی کو نصیب نہیں ہوئی۔

ہجرت کے بعد اِسلام کی پہلی جنگ جو مکّے کے کافروں سے لڑی گئی وہ مدینے سے کچھ فاصلے پہ بدر کے میدان میں ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت رسول اللہؐ ۳۱۳ بے سروساماں صحابہؓ کی ایک مختصر جماعت کو لے کر ایک ہزار قریشی کافروں (جو سامانِ جنگ سے خوب لیس ہوکر آئے تھے) کے مقابلے کے لئے نکلے۔ یہ لڑائی اللہ اور اس کے دین کے لئے تھی۔ گویا مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا۔ اس میں شرکت کے لئے حضرت عثمانؓ بڑے آرزومند تھے۔ لیکن اُن ہی دنوں بی بی رقیہؓ بیمار پڑیں تو حضرت رسولؐ نے ان سے فرمایا "تم مدینے ہی میں ٹھہر کر بی بیؓ کی دیکھ بھال کرو"۔ اُنہی دنوں میں بی بیؓ کا انتقال بھی ہوا۔

اور جب حضرت زید بن حارثہؓ حضرت نبی کریمؐ کی اُونٹنی پہ سوار ہوکر بدر

کی فتح کی خوشخبری سُنانے مدینے میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت بی بی رضؓ کی تدفین ہو رہی تھی۔ تاہم حضرت عثمانؓ کو بھی بدری صحابہؓ کا درجہ دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ اپنی پیاری زوجہ کی جُدائی پر اداس اداس سے رہنے لگے اور کچھ فکر میں بھی پڑ گئے تو حضرت صدیقؓ نے ازراہِ ہمدردی اس اداسی کا سبب پوچھا تو کہا "ایک غم تو یہ ہے کہ چہیتی بیوی رضؓ جدائی کا غم دے گئی۔ دوسرا سبب یہ کہ حضرت رسولؐ سے قرابت بھی کٹ گئی اور اہلِ بیت کہلانے اور جنت میں آپؐ کے ہمراہ رہنے کے شرف سے بھی محروم ہو گیا۔" جب یہ بات حضرتؐ کے کانوں تک پہنچی تو آپؐ نے بی بی اُمِّ کلثوم رضؓ کو اُنؓ کی زوجیت میں دیدیا۔ چند دن کے بعد اُن بی بی رضؓ کا بھی انتقال ہوا تو حضرت سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا "میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح عثمانؓ سے کرا دیتا"۔ اس ارشاد سے حضرت رسولؐ اور حضرت عثمانؓ کی دوستی اور ایک دوسرے سے پسندیدگی پر روشنی پڑتی ہے۔ اندازہ لگتا ہے کہ آپؐ ان سے بے حد خوش تھے اور انھیں بہت قریب رکھتے تھے۔

اِس سے پہلے تم نے میرے کسی خط میں ابولہب کا نام پڑھا ہے۔ وہ حضرتؐ رسولؐ کا چچا تھا۔ آپؐ نے جب حق کا اعلان کیا تو وہ آپؐ کا کٹر دشمن

بن گیا۔ بات یہ ہوئی کہ حضرت رسول اللہ کے حکم کی بناء پر اوّل اوّل قریب کی بستیوں اور میلوں میں کبھی اکیلے تبلیغ دین کے لئے نکل جاتے تھے اور کبھی حضرت صدیق کو ساتھ رکھتے تھے۔ پھر آپ کو حکم ہوا "اپنے خویش اقربا میں جاکر دین کی دعوت دو اور انھیں اللہ کے عذاب سے ڈراؤ۔ ("و انذر عشیرتک الاقربین") تو آپ نے ایک دن اپنے تمام رشتہ داروں کو آبادی سے باہر بلایا اور خود صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر اُن سے پوچھا "کیا تم لوگ مجھے صادق اور امین مانتے ہو؟" تو انھوں نے کہا "اس میں کیا شک ہے تم صادق ہو اور امین بھی" پھر فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک فوج کھڑی ہے جو تم پر حملہ کرنے والی ہے تو تم میری بات مانو گے۔؟" تو سبھوں نے ہم زبان ہوکر کہا "کیوں نہیں، ہم نے تمہیں ہمیشہ سچا پایا ہے"۔ تب آپ نے فرمایا "دیکھو لوگو! اللہ ایک ہے وہ شرک سے پاک ہے، وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے، تم بتوں کی پوجا چھوڑ دو اور ایک اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ۔ ورنہ اس کی پکڑ سے تم چھوٹ نہیں سکتے۔"

بس اتنی سی بات پر چچا ابولہب کا پارہ چڑھ گیا اور غصہ میں لال پیلا ہو گیا اور کہنے لگا "اے بھتیجے! تیرا سارا دن ناس ہو، تو نے

# عرضِ حال

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

الحمد للہ رب العٰلمین الصلوٰۃ والسلام علیٰ
رسولہ الکریم

ساری تعریف اُس خُدائے بزرگ و برتر کے لئے سزاوار ہے جس نے ایک لفظ "کُن" سے تمام دُنیا اور مافیھا کو پیدا کیا۔ اُس نے کائنات میں بسنے والی ساری مخلوق کی رہبری اور ہدایت کے لئے نبیوں کا ایک سلسلہ باندھا اور اس سلسلے کو ختم کرنے والے نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو مبعوث فرمایا تاکہ آپؐ نوعِ بشر کو نیکی کا راستہ دکھلائیں اور اُسے شر اور فساد سے روکیں۔ اُس رب العزت کی جناب میں صد شکر و احسان کہ جس نے قلم کے ذریعہ انسان کو علم سکھایا اور وہ سب کچھ بتا دیا جس سے انسان بے خبر

اتنی سی بات کے لئے ہمیں یہاں تک تکلیف دی ہے" اس دن سے ابولہب حضرتؐ کا جانی دشمن بن گیا اور آپؐ کو ستانے کے لئے وہ اور اس کی بیوی روز نئی نئی ترکیبیں کرتے تھے۔ اس کی بیوی رسولؐ کے راستے میں کانٹے بچھاتی تھی۔ ایک دن یہاں تک کہہ دیا "تیرے اللہ کے عذاب کو میری دولت اور اولاد دونوں روک دیں گے" وہ مکّے کے سرداروں میں سے تھا۔ اس کے پاس دولت خوب تھی۔ اور اولاد بھی کثیر تھی۔ ان دونوں پر اُسے بڑا گھمنڈ تھا۔ اس کی بیوی اُمّ جمیل کے پاس سونے کا بڑا ہار تھا مگر بڑی بخیل تھی۔ پیسے والی ہونے کے باوجود جنگل سے جلانے کی لکڑیاں چن کر لاتی تھی اور ہار دکھا دکھا کر کہتی تھی "میں اس ہار کو محمدؐ کے خلاف لگا دوں گی۔" حضرت بی بی رقیہؓ (صاحبزادی رسول اللہؐ) کی نسبت پہلے ابولہب کے بیٹے عُتبہ سے طے ہوئی تھی۔ اس دشمنی میں ابولہب نے اپنا زور لگا کر اس منگنی کو توڑ دیا۔ اچھا ہی ہوا۔ بدبختوں کو وہ نعمت کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی دانست میں سمجھ رہا تھا کہ اس نے اپنی دشمنی پوری کر دکھائی۔ مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا، اس کے ہاتھ سے اس کے پلید ماحول سے حضرت بی بیؓ کو محفوظ رکھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ ابولہب اور اس کی بیوی اُمّ جمیل دونوں بڑی ذلت کی موت

مرے۔ جنگِ بدر کے ساتویں دن ابولہب بڑی شدید بیماری میں مبتلا ہوا بیٹوں نے اُسے گھر کے ایک کونے میں ڈالدیا اور اس کے قریب پھٹکتے نہ تھے۔ اس نے تین دِن تک تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ اس کے ایک حبشی غلام نے اس کے مُردے کو ایک گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈھانپ دی۔ بیوی کا بھی وہی حشر ہوا۔ وہ ایک دن حسبِ معمول جنگل سے لکڑیاں چُن کر لا رہی تھی، کھجور کی زائد رسی کو گلے میں لپیٹ لیا تاکہ وہ پیروں میں آکر اُسے گرا نہ دے۔ قدرت کی کرنی ایسی ہوئی کہ راستے میں اُسے ٹھوکر لگی، وہ اس طرح گری کہ وہی رسّی جس سے وہ بچنا چاہتی تھی۔ اس کے گلے کا پھندا بن گئی اور دَم گھُٹ کر وہیں ڈھیر ہوگئی ؎

من دریچہ خیالم و فلک دریچہ خیالی۔

کہاں گیا امّ جمیل کا سونے کا بڑا ہار اور کہاں گئی ابولہب کی دولت اور کثیر اولاد۔ اس کے دین کے مخالفت اور اس کے رسولؐ کے ساتھ دشمنی کرنے والوں کا ایسا ہی حشر ہوتا ہے کہ مرنے پر بھی آنکھ میچنے والا اور ہاتھ پاؤں سیدھے کرنے والا کوئی نصیب نہیں ہوتا۔" واللہ خیرالماکرین"۔

امین! تم نے قرآن شریف کے کئی دور کئے ہیں؟ کیا تم نے

کہیں کسی دشمن رسولؐ کا نام پڑھا ہے۔ اِلّا اس ایک مردود کے جس کا لقب ابولہب تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑا پلید تھا۔ اس کے باوجود قرآن میں اس کے نام کی ایک سورت نازل ہوئی۔ جو آخری پارے کے آخری حصّے میں تمہیں ملے گی۔ یہ سورت اس لئے نازل نہیں ہوئی کہ اللہ کو اس کا نام یا کام پسند تھا یا اپنے کلام میں اس کا تذکرہ کر کے اس کا رتبہ بلند کرنا چاہتا تھا۔ نہیں نہیں! ہرگز ایسا نہیں!!! بلکہ اللہ تعالےٰ چاہتے ہیں کہ اس کا ہر پڑھنے والا اس پر لاحول بھیجے اس سے نفرت کرے اور اُسے دھتکارتا رہے اور اِس واقعے سے عبرت پکڑے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ دشمنی کرنے والوں کا حال دُنیا اور عقبیٰ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

واقعی جب میں کلام پاک کی تلاوت کرتا ہوں اور اس سورۃ پر پہنچتا ہوں تو میرے دل میں اس مردود کے خلاف نفرت کی ایک موج اُٹھتی ہے اور اس کا نام لیتے ہوئے جی کڑاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کا منشاء بھی یہی ہوگا کہ دنیا میں دولت اور اولاد کی کوئی حقیقت نہیں۔ تم سب سے دوستی کرو مگر اللہ اور رسول کا دشمن تمہارا دوست نہیں ہو سکتا ملو جلو تو کام کی حد تک کام باقی دور سے سلام، کے اصول پر چلو۔

آج کی دُنیا میں ایسا کرنا مشکل ضرور ہے مگر حق پر رہنے والے کی حمایت قدرت کرتی ہے۔ آج ہم نے وضعداری اور بھائی چارگی کا جو مفہوم بنا رکھا ہے یہ وہ نہیں ہے جو ہمارے بزرگوں کے پاس تھا۔ اس میں آج بزدلی، کمزوری اور زمانہ سازی کی آمیزش ہے۔ اس لئے اس کے نتائج بھی ویسے ہی غیر متوقع برآمد ہوتے ہیں ؎

جھک کر سلام کرنے میں کیا حرج ہے مگر

سر اتنا مت جھکاؤ کہ دستار گر پڑے

ایک اور دشمن دین ابوجہل بھی تھا۔ وہ اسم بامسمیٰ مردود تھا اور بڑا اشد تھا۔ میدانِ بدر میں دو نوجوان بھائی معاذ و معوذ نے آگے بڑھ کر اُسے گھوڑے سے گرا دیا اور جب اس کا سر کاٹنا چاہا تو کہا "میں مکہ کے سرداروں کا سردار ہوں، میرا سر کاٹو تو ذرا گردن لمبی رکھ کر کاٹو تاکہ جب زمین پر سروں کی نمائش ہوگی تو میرا سر سب سے اونچا نظر آئے۔"

کوئی دم میں خاک میں ملنے والا سر اونچا ہو تو کیا اور نیچا ہو تو کیا فرق پڑنے والا ہے۔ مگر ایسے وقت بھی سر سے غرور کا سودا نہیں گیا۔ تم خود غور کرو۔ یہ لوگ کیسے اشد تھے۔ جب دوزخ کے دہکتے

شعلوں کا نقشہ نظر میں پھر جاتا ہے تو جاہل ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں وہ تو "جہالت کا باپ" تھا۔

میرے اگلے خط میں "ذی الہجرتین" کی وضاحت اور حضرت عثمانؓ کی دو ہجرتوں کا ذکر کروں گا۔ انشاء اللہ

فقط

تمہارا معین

# پیارے بیٹے کا تیسرا جوابی خط

پیارے ابّا! السّلام علیکم

آپ کے خط ہر ہفتہ بڑی پابندی سے ملتے ہیں اور ہماری معلومات بڑھاتے ہیں اور بزرگانِ دین سے ہماری عقیدت بھی بڑھاتے ہیں۔ پچھلا خط جو ذرا دیر سے ملا تھا بڑا اچھا تھا، ذوالنورین کی وضاحت، حضرت عثمان رض کی حضرت رسولؐ سے محبّت، ان کی دریا دلی، اُن کی طرف سے مسلمانوں کو فائدے، اُن کا بلا جھجک اسلام قبول کرنا، خاندانی بڑائی کو ناپسند کرنا، بیویوں سے ان کی محبت اور ان کے گزر جانے کے بعد اُن کی اُداسی ــــ یہ ساری باتیں تفصیل کے ساتھ ہمیں معلوم ہوئی ہیں۔ اسلام کی تاریخ پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ دین اور مذہب کیا ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کیا ہیں۔ صحابہ کا کردار کیا تھا، اِسلام کے دشمن ابولہب اور ابوجہل کا حشر بھی معلوم ہوا۔ دولت اور اولاد پر گھمنڈ کرنے والوں کا حشر بھی معلوم ہوا ایسوں کو معمولی سمجھ والا بھی پسند نہیں کرتا ہم اللہ میاں سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو دین کا پورا علم اور اچھا درس دیں اور

ساتھ ہی ساتھ آپ کی صحت کے لئے بھی دُعا کرتے ہیں۔ آپ کافی آرام لے کر لکھا کیجئے، زیادہ بار نہ اٹھائیے۔ اللہ تعالےٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ ہم سب کی طرف سے سلام قبول کیجئے۔

فقط آپ کا

امین

# آٹھواں خط

پیارے امین! دُعا سلام۔

آج ہی تمہارا خط بڑے اِنتظار کے بعد مِلا۔ تم نے لکھا ہے کہ میرے خط تمہاری معلومات اور بزرگانِ دین سے تمہاری عقیدت بھی بڑھاتے ہیں۔ خاص کر حضرت عثمانؓ کے بارے میں تمہیں اچھی اچھی باتیں معلوم ہوئیں، یہ پڑھکر خوشی ہوئی کہ تم میرے خطوں کے اِنتظار میں رہتے ہو۔ یہ تمہاری سعادت مندی ہے اور علم دوستی کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالےٰ تمہیں علم اور روزگار میں اور ترقی دیں اور تمہاری دِلی مرادیں پوری ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اِدھر اُدھر کا فالتو اور لچر لٹریچر پڑھنے کے بجائے بزرگوں کی زندگیاں پڑھو تو تمہارا دل بہلے گا، عقیدت بڑھے گی، ڈھارس بندھے گی، شوق بڑھے گا، ذہن نکھرے گا، اور نظر میں روشنی آئیگی۔ تم بھی اُن جیسے ہو جاؤ گے۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگوں نے اِسلام کو پھیلانے میں کیا کیا مصیبتیں جھیلیں، کیسے کیسے ایثار کئے۔ تمہارے کردار سنوارنے کے لئے اُن کا ہلکا سا سایہ بھی کافی ہے۔ اللہ پاک تمہارے

شوق کو بڑھائے اور مجھے بھی تم لوگوں کی خدمت کا بھرپور موقعہ دے۔ میں بھی جی لگا کر اچھی اچھی باتیں لکھوں گا تاکہ تمہاری دلچسپی قائم رہے اور مطالعہ کا شوق بھی بڑھے۔ علم کے بارے میں تمہاری جستجو کو دیکھ کر مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری محنت بیکار نہیں جا رہی ہے۔ اللہ کرے کہ تمہارے بے چین دل کو پوری پوری تسکین ملے۔

اس خط میں تمہیں ایک اور لفظ ذی الہجرتین کی وضاحت ملیگی تم پوچھو گے وہ کیا ہے، تو لو سنو!

ہجرت عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ ہے ایک مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا بسنا۔ ایسا کرنے میں اپنی غرض اور فائدے کا دخل نہ ہونا چاہیے ورنہ یہ ہجرت نہیں کہلائے گی۔ اسے صرف نقلِ مقام کہیں گے۔ اگر اس میں اللہ اور رسولؐ کی رضا و منشا شریک ہو تو ایسے جگہ بدلنے کو ہجرت کہتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو کئی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ماں باپ، بھائی بہن، بال بچے، خویش اقربا، زمین جائیداد، مال اسباب ان سب کو چھوڑ کر نکلنا پڑتا ہے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ بڑے دل گردہ کی بات ہے۔ اگر میں حیدرآباد چھوڑ کر کریم نگر جا بسوں جہاں مجھے سہولتیں ہیں تو یہ ہجرت نہیں کہلائے گی۔ کیونکہ کسی نے مجھے حیدرآباد

چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا، ارکانِ اسلام کی ادائی میں کسی نے رکاوٹ نہیں ڈالی، میں نے اپنے فائدے اور غرض کے لئے مقام بدلا ہے۔ مگر ہجرت میں دِل پر پتھر باندھ کر سارے خاندان سے ہاتھ اُٹھا لینا پڑتا ہے۔ تم پوچھو گے کہ وہ فائدے کیا ہیں۔ تو سنو! کافروں کے ظلم وستم سے بچنا، نماز روزے کی آزادی قائم رہنا اور سب سے بڑھ کر اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی نصیب ہونا۔

پہلے قاعدے کے لحاظ سے ہجرتین کے معنی ہوئے۔ دو ہجرتیں اور ذو یا ذی کے معنی تمہیں یاد ہی ہیں۔ "والے یا صاحب کے" ہیں یعنی ایسے صاحب جنھوں نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ تم دیکھو گے کہ یہ لفظ حضرت عثمانؓ پر کس طرح لاگو ہوتا ہے اور انھیں ذی الہجرتین کیوں کہتے ہیں۔

اِسلام کا اِبتدائی زمانہ تھا۔ جب حق کی آواز بلند ہوئی اور حضرت رسولؐ اللہ نے اللہ کے ایک ہونے اور لاشریک ہونے کی بات کہی تو مکّے والے سارے آپ پر ٹوٹ پڑے، آپ کی بات ماننے والوں کا جینا حرام کر دیا۔ اُن پر طعنے کسنا، اُن کے خلاف نعرے لگانا، اُن پر پتھر برسانا، انھیں مار دھاڑ کرنا اور خوں خرابا کرنا — کوئی ایک مصیبت ہو تو بیان کروں غرض اُن کی زندگی تنگ کر دی جب

تھا۔ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝ اقرا

اوپر کے نگارش والے شعر کو آج میں چھٹی دفعہ استعمال کر رہا ہوں۔ بزرگانِ دین کی سیرتوں کو خطوط کی شکل میں پیش کرنے کی یہ میری چھٹی کوشش ہے۔ قبل ازیں پانچ کتابیں میں نے اسی طرز پر لکھی ہیں۔ جو بہت پسند کی گئیں۔ صاحبانِ علم نے انھیں بہ نظرِ استحسان دیکھا جس سے میری ہمت اور بڑھی۔ اور میرے ارادے کو استحکام ملا۔ زیرِ نظر خطوط حضرت عثمانؓ بن عفان کی سیرت سے متعلق ہیں۔ انھیں میں نے اپنے بیٹے کے نام لکھے ہیں۔ ہر خط میں حضرتؓ کی سیرت کا ایک نہ ایک پہلو ہے۔ آخر میں حضرت علیؓ کی سیرت اسی طرز پر لکھ کر اس سلسلے کو ختم کرنا ہے کیونکہ میرا پلان (منصوبہ) خلفائے راشدین تک ہی محدود ہے۔ اب تک حضرت سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت سیدنا عمر فاروقؓ اعظم کی سیرتیں لکھ چکا ہوں۔

اِس کتاب کے لکھنے میں میری غرض و غایت وہی ہے جو پچھلی کتابوں کے پیش کرنے میں تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین اور بزرگانِ دین کی زندگی، ان کے اخلاق کردار کے ان جواہر پاروں کو نئی نسل کے سامنے ایک دلچسپ انداز میں رکھوں جو انھیں زیادہ

حضرت رسولؐ نے مصیبت زدوں کا حال دیکھا تو فرمایا "جان و مال، عزت و آبرو اور ارکانِ اسلام کی حفاظت اور اُن کی آزادانہ ادائی کی خاطر اگر وہ چاہیں تو قریب کے علاقوں، شہروں اور ملکوں کو جا سکتے ہیں"۔ یعنی ہجرت کر سکتے ہیں۔ اِس اجازت کے بعد رات کے اندھیرے میں سولہ دین داروں کا ایک قافلہ مکّے سے نکلا جس کے سالار حضرت عثمانؓ تھے۔ اور ان کی زوجہ مبارک بی بی رقیہؓ بھی ساتھ تھیں۔ بی بیؓ کے علاوہ اور تین عورتیں قافلے میں شریک تھیں یہ قافلہ چھپتے چھپاتے ملک حبش کی طرف چل پڑا۔ یہ لوگ کافروں کا ظلم سہتے سہتے تنگ آگئے تھے اور جی جان سے ٹوٹ چکے تھے۔ بندرگاہ شعیبہ کے رستے ملک حبش کے حدود میں داخل ہوئے جہاں کا بادشاہ عیسائی تھا مگر وہ مسلمانوں کا دشمن نہ تھا۔ وہ حضرت رسولؐ کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا تھا۔ اُسے دینِ اسلام سے اچھی خاصی دلچسپی تھی۔ اور اُسے اِس نئے دین کے بارے میں کچھ کھوج سی تھی۔ وہ اپنے ملک میں آنے والوں سے چھپکے چھپکے پوچھتا تھا۔ وہ باتیں تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں جو حضرت جعفر طیارؓ نے اس کے دربار میں سورۂ طٰہٰ کے حوالے سے سنائی تھیں۔ اِس قافلے میں حضرت عثمانؓ اور بی بی رقیہؓ

کی شرکت کو دیکھ کر حضرت رسولؐ نے فرمایا تھا " حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اللہ کی راہ میں وطن کو خیرباد کہا" تو حضرت عثمانؓ کی یہ پہلی ہجرت ہوئی۔

حضرت رسول اللہؐ کو اپنی بیٹی داماد کی دوری کا بڑا ملال رہتا تھا اور اُن کے لئے بڑے فکرمند رہتے تھے۔ ایک دفعہ کئی دن تک اُن کی خیر خیریت نہیں ملی تو آپؐ کی بے کلی کا یہ عالم تھا کہ ملک حبش سے ہر آنے والے سے دریافت فرماتے تھے" کیا تم نے اُنھیں وہاں دیکھا ہے؟ " اتفاق سے ایک خاتون نے بتایا " میں نے اُنھیں وہاں دیکھا ہے" کسی اور نے کہا" میں نے دیکھا تھا کہ عثمانؓ اپنی زوجہ کو ایک خچر پر سوار کرا کے لے جا رہے تھے۔" تب حضرت رسولؐ کو تھوڑا قرار آیا۔

ایک عرصے کے بعد حضرت عثمانؓ اور بی بی رقیہؓ مکّے واپس آئے تو دیکھا کہ کافروں کے ظلم وستم پہلے سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اِن حالات میں حضرت رسولؐ نے مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ تو عثمانؓ نے بھی بی بیؓ کے ساتھ مدینہ کا ارادہ کیا۔ یہ اُن کی دوسری ہجرت ہوئی۔ پہلی ہجرت حبش کی دوسری

ہجرت مدینے کی ہوئی اسی لئے آپؓ کو ذی الہجرتین بھی کہا جانے لگا۔

امین! میں نے تم سے پہلے ہی کہدیا تھا کہ ہجرت کرنا کوئی ذلگی کا کھیل نہیں۔ اس کے لئے تو ہاتھ بھر کلیجے کی ضرورت ہے۔ جب تمہیں ہجرت کے واقعات سناؤں گا تو تمہارا کلیجہ منہ کو آجائے گا۔

۱۔ حضرت صہیب رومیؓ ہجرت کے ارادہ سے مکہ چھوڑنے نکلے تو کافروں نے انہیں راستے میں پکڑ لیا اور کہا" صہیب! تم جب مکہ آئے تھے بالکل غریب، قلاش اور بدحال تھے۔ یہاں آکر تم نے ہزاروں کمائے اب تم یہ چاہتے ہو کہ مکہ کی کمائی ساتھ لے جاؤں۔ یہ تو نہ ہوسکے گا۔ جانا ہے تو تن کے کپڑوں سے نکل جاؤ۔ مگر اس دولت میں سے تم ایک پھٹی کوڑی کے حق دار تو کجا دادار بھی نہیں"۔ تو بیچارے نے ساری دولت چھوڑدی اور خالی ہاتھ چپ چاپ نکل گئے۔ جب حضرت رسولؐ کے کانوں تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا" اس سودے میں صہیبؓ نے خوب نفع کمایا۔"

۲۔ جب ابوسلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اُن کی بیوی اُم سلمہ کی کہانی اُن کے ہی زبانی سُن لو۔

"میری گود میں چھوٹا بچہ تھا' میں اُونٹ پر سوار تھی' میرے شوہر اُونٹ کی مہار سنبھالے مجھے لے جا رہے تھے۔ راستے میں بنو نضیر والوں نے ہمیں آگھیرا۔ میرے شوہر کو میرے پاس سے ہٹا دیا اور کہا "تو جا سکتا ہے مگر تیری بیوی جو ہمارے قبیلے کی لڑکی ہے تیرے ساتھ نہیں جا سکتی۔ تیری بیوی ہوئی تو کیا وہ تو ہماری لڑکی ہے۔ وہ ہمارے قبیلے میں رہے گی۔ قبیلے والے جو طے کریں گے بعد میں اس پر عمل ہوگا۔ یہ کہہ کر میرے شوہر کے ہاتھ سے اُونٹ کی نکیل چھین لی اور انھیں ڈھکیل دیا۔ اتنے میں بنو عبدالاسد والے آئے اور میرے شیر خوار بچے کو مجھ سے چھین لیا اور کہا' تو جا سکتی ہے۔ پر بچہ ہمارے قبیلے کا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ اُنھوں نے شوہر کو مجھ سے جُدا کیا' انہوں نے مجھ سے میرا بچہ بھی چھین لیا۔ میرے شوہر اُدھر مدینے کی طرف چل نکلے اور میں اِدھر ان لوگوں کے ساتھ بنو نضیر میں چلی آئی اور میرا بچہ بنو عبدالاسد والوں کے ساتھ مکے میں آگیا۔ مگر اُسے مجھ سے الگ ہی رکھا گیا۔

ابوسلمہؓ جو دین کے لئے ہجرت کر رہے تھے دِل پر پتھر رکھ کر آگے بڑھے۔ بی بی ام سلمہؓ ہر روز اس جگہ جاتیں' شوہر اور بچے کی یاد میں

دو گھڑی آنسو بہا کر لوٹ آئیں۔ یہ اُن کا معمول بن گیا تھا۔ اِسی حال میں ایک سال بیت گیا۔ ایک دِن اُن کے چچیرے بھائی نے اُن کے حال پہ رحم کھا کر اُن کے قبیلے والوں سے بات کی۔ بالآخر ان دونوں قبیلے والوں کو سمجھا بجھا کر ماں بیٹے کو مدینہ جانے کی اجازت دلوادی۔ بی بیؓ اونٹ پہ سوار ہو کر اپنے معصوم بچے کے ساتھ مدینہ پہنچیں اور شوہر سے جا ملیں۔

امین! اب تمہیں سمجھ میں آیا ہوگا کہ ہجرت کسے کہتے ہیں۔ حضرت رسول اکرمؐ کی ہجرت کا حال سنو گے تو تم عشق عشق کرنے لگو گے۔ حضرت صدیقؓ کی میری کتاب میں تمہیں تفصیل ملے گی۔

اِس خط میں تم نے یہ بھی پڑھا تھا کہ حضرت رسول اکرمؐ اپنی بیٹی اور داماد کے لئے بہت فکر مند رہتے تھے اور بے ساختگی میں اُدھر سے آنے والے ہر شخص سے پوچھتے تھے۔ "تم نے اُنھیں وہاں دیکھا ہے؟" باپ اور بیٹی کا رشتہ ہی اور ہوتا ہے۔ بیٹی پہ باپ کا دِل کھینچنا ایک فطری بات ہے، ماں باپ، بیٹی اور بیٹے کو ایک ساتھ پالتے ہیں اور ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر بیٹی کی جُدائی ۱۸، ۲۰ برس میں لازمی ہو جاتی ہے اور اس کا گھر دار بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ بیٹے کے تعلق سے کم از کم ہندوستانی معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہ ماں

باپ کا جانشین ہوتا ہے اور باپ کی جگہ لینا اُس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ یوں بھی بیٹیوں کے مقابلے میں بیٹیاں کمزور ہوتی ہیں۔ اس لئے تم اپنی بہنوں پر مہربان رہو۔ حتی الامکان ان کی دِل جوئی کرو۔ اُن کے ساتھ ایثار و قربانی کا سلوک کرو۔ وہ اگر تمہارے پاس آئیں تو دیکھو کہ ان کے پیٹ میں کا پانی ہلنے نہ پائے۔ وہ تمہارے گھر عمر گزارنے نہیں آئیں بلکہ دو چار دِن کے لئے مہمان کے طور پر آتی ہیں۔ تمہارے ہاں اُن کے آنے سے تمہاری آنکھوں میں خوشی کے آنسو اور اُن کی جُدائی کے وقت غم کے آنسو ڈبڈبانا چاہیئے۔ وہ تمہارے ماں باپ کے جگر کے ٹکڑے ہیں، ممتا کے نعم البدل ہیں۔ وہ انھیں غیروں کے حوالے کر کے اُن کی خوشی پر خوش اور ہر غم پر غمگین ہوتے ہیں۔ بیٹی نازک آبگینہ ہے۔ بیٹی رزق روٹی ہے، گھر کی آبرو ہے، سسرال کی عزت ہے، خاندان قبیلے کی ناک ہے اور اڑوس پڑوس کی آنکھوں کا تارا ہے۔ بیٹی بھی باپ پر ویسے ہی جان چھڑکتی ہے، سو جان سے فدا ہوتی ہے۔ میری کتاب سیرت فاطمہؓ طرز خطوط میں تم نے پڑھا تھا فاطمہؓ ابھی بچی ہی تھیں، انھیں خبر ملی کہ مکہ کے بدمعاشوں نے باپ کے سر پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی، تو حضرتؐ کو سجدے سے

سر اُٹھانا مشکل ہو گیا تھا۔ یہ سُن کر بی بی فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ ہوا کی طرح اُڑیں اور مسجد نبوی میں پہنچ کر پیارے اباؐ کے سر سے اوجڑی ہٹا دی اور ننھے ننھے ہاتھوں سے شریروں کو مار مار کر پیچھے ڈھکیل دیا اور پوچھا "ارے کم بختو! میرے ابا نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" ایک دفعہ کافروں نے چادر کو لپیٹ کر حضرت رسول اللہ کی گردن مبارک میں ایسا بل دیا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ تب بھی ننھی بیٹی روتے ہوئے وہاں پہنچیں اور اپنے ہاتھوں سے چادر کے بل کھولے اور باپ کو خطرے سے نکال لیا۔ جنگِ اُحد میں پیارے باپ کے گال میں زرہ کی دو کڑیاں دھنس گئی تھیں تو وہاں بھی بی بیؓ ہی نے کھجور کے پتے جلا کر زخموں کو اس راکھ سے بھر دیا۔ دیکھ لیا پیاری صاحبزادی اپنے والد بزرگوار پر کیسے جان فدا کرتی تھیں۔

شاید یہ تمہیں یاد نہ ہو، تم آٹھ دس برس کے تھے ایک دفعہ طوفانی بارش ہوئی، جنگاؤں کے قریب پُل کے بہہ جانے سے ریل ندی میں گر گئی تھی بے حساب مسافر مر گئے۔ ہم سوشیل سروس کرنے کے لئے اسکول کے بڑے بڑے بچوں کو لے کر وہاں جا رہے تھے کہ راستے میں ہماری لاری بھی اُلٹ گئی۔ بچوں کے ساتھ میں بھی زخمی ہوا۔ مرہم پٹی کے بعد جب

میں گھر پہنچا تو تمہاری بہنوں نے مجھے گھیر لیا اور زار و قطار رونے لگیں۔ تم باہر سے آئے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر دور ہی سے صرف اتنا کہا "کاہے کو گئے، گھر میں رہنا نہیں تھا" میں تمہاری شکایت نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے یا تمہیں بیٹیوں کی نظر سے گرانا چاہتا ہوں۔ میں ایسے موقعوں پر بیٹیوں اور بیٹوں یا بہنوں اور بھائیوں کے کردار کا فرق بتاتا ہوں، یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کتنی رحم دل ہوتی ہیں اور ماں باپ کی پریشانیوں پر کتنی دکھی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے جب کبھی تمہاری بہنیں تمہارے گھر آئیں تو اُن کے راستے میں اپنی نظریں بچھاؤ اور دیکھو کہ کہیں ان کا دل چھوٹا نہ ہو جائے تم کہو گے کہ "وہ باپ بیٹی کی بات ہے اور یہ بہن بھائی کی بات ہے"۔ تم ایسا نہ سوچو، گھر میں تم باپ کے جانشین ہو، تم سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ گھر میں تم باپ کا پارٹ ادا کرو گے۔ میری چار بہنیں تھیں، وطن سے کافی دور اپنے اپنے سسرال میں رہتی تھیں۔ ایک دفعہ میں اتنا بیمار ہوا کہ ڈاکٹروں نے آس چھوڑ دی تھی۔ جب انھیں خبر ہوئی تو وہ دوڑی دوڑی آئیں اور میری پلنگ کے اطراف صدقہ پھیریں اور کہنے لگیں "بھائی! تمہاری بلا ہم پر آئے اور ہماری عمریں

تمہیں لگ جائیں"۔ ایسی باتیں صرف بہنیں ہی کہہ سکتی ہیں۔ ان کا پیار رحمتا کا بدل ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ کی سیرت سے ان داستانوں کا کوئی تعلق نہیں مگر میں چاہتا ہوں حضرتؓ کی سیرت کے طفیل سے تمہارے کردار سنوار دوں۔ کردار اس سے ہٹ کر اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو، رسولؐ کی پیروی کرو، ماں باپ پر جان فدا کرو، استاد اور بزرگوں کا ادب کرو، بھائی بہن کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ بڑوں کا لحاظ رکھو، چھوٹوں سے محبت اور پیار کا سلوک کرو۔ اڑوس پڑوس اور اپنے پرایوں کو ایک نظر سے دیکھو اور بس۔ اسی کی خاطر تمہارے سامنے مثالی ہونے پیش کرتا ہے اور تمہیں اچھے گن چال، اخلاق و کردار کا انسان بناتا ہے۔

فقط

تمہارا معین

# نواں خط

پیارے امین! دُعا سلام

میرے پچھلے خط میں تم نے ہجرت کا مطلب پڑھا۔ حضرت عثمانؓ کو ذی الہجرتین کیوں کہتے ہیں، جان گئے۔ ہجرت سے پہلے مکّے کے مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر کیا کیا مصیبتیں جھیلیں ان کی تفصیل بھی دیکھ لی۔ حضرت صہیبؓ اور حضرت ابوسلمہؓ سے بھی واقف ہو گئے۔ اور سچّے مسلمانوں کی اچھی اچھی مثالیں بھی تمہیں ملیں۔ بی بی رقیہؓ، بی بی اُمّ سلمہ کتنی سچی اور اچھی بیبیاں تھیں جنھوں نے اِسلام کی خاطر گھر کا سکھ چین چھوڑا اور اپنے شوہروں کی ساتھ داری میں سب کچھ جھیل لیا اور زبان سے اُف تک نہ کہا، کسی سے یہ بھی نہ کہا "ہم اپنے شوہروں کی خاطر مصیبتیں کے پہاڑ اٹھائے پھرے تھے"۔ یہ پاک بیبیوں کا نیک کردار تھا۔ آج ہمارے گھرانوں میں ایسی بھی بیبیاں ہیں جو شوہروں کو کوستی اور ایل فیل بکتی ہیں۔ اُن کی غربت اور تنگی کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں اور انھیں دوسروں کا ممنونِ احسان بنانے کے

اپیل کرے اور اپنی طرف مائل بھی کرے۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملّت کی یہ نئی نسل اپنے اسلاف کو بھولتی جارہی ہے اور اُن کی رہنمائی سے قطعاً نابلد ہوتی جارہی ہے۔ نتیجۃً وہ ضلالت اور گمراہی کے گڑھوں کی طرف اس تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ آج دُنیا کی کوئی طاقت اُسے روک نہیں سکتی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ نئی پود کے سامنے کوئی نمونہ یا ماڈل یا آئیڈل نہیں ہے جس کی تقلید کرکے اس کے نقوشِ قدم پر چل کر وہ اپنے آپ کو سدھار سکے۔ میں اکثر "ہیرو" کا لفظ استعمال کرتا ہوں کیونکہ نوجوانوں کی زندگی کا یہ دورِ نفسیات کی اصطلاح میں "ہیرو ورشپ" کا دور کہلاتا ہے۔ صحیح رہنمائی کے نہ ہونے کے باعث ملّت کے نوجوان اپنے طور پر ہی اپنا ہیرو منتخب کر لیتے ہیں۔ اور اس جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں، اُسی کے خیالات کو اپناتے ہیں، اُسی کا لباس اور وضع قطع اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر اُن کا ہیرو بلند کردار والا ہو، اچھے بُرے کی تمیز کر سکتا ہو، دین و ایمان کی باتیں سمجھ سکتا ہو اور دوسروں کو سمجھا سکتا ہو تو اُمّت کی یہ نئی پود تباہی اور گمراہی سے بچ سکتی ہے بس یہی میری غرض و غایت ہے کہ اس کے سامنے ایک مثالی ہیرو پیش کروں تاکہ وہ اپنے طور پر ہی اس کی نقالی کرے اور راہِ راست

کے لئے جھوٹ سچ بولتی اور شوہروں کی آمدنی میں خیانت کرتی ہیں، غلط سلط حساب پیش کرتی ہیں۔ ایسی بیبیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قیامت کے دن وہ خیانتی کہلائیں گی۔ اور خیانتی چیزیں وہاں پیش کرنی ہونگی۔ آج اُن کا مکر و فریب چل جائے گا، کل وہ اللہ کی پکڑ سے چھوٹ نہ سکیں گی۔

اِس خط میں حضرت عثمانؓ کے چند اور حالات کے ساتھ ساتھ اِسلامی جنگوں میں جو حضرت رسول اللہؐ کی زندگی میں لڑی گئیں، ان کا کیا رول تھا بیان کروں گا۔ اِس سے تمہیں اندازہ ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کتنے بڑے اِنسان تھے۔

مُسلمان اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ اس اُمید پر گئے تھے کہ وہ وہاں اللہ اللہ کرتے ہوئے زندگی کے دِن آرام اور اطمینان سے گزاریں گے۔ مگر مکّے کے کافروں نے اُنھیں وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ جب اُنھیں خبریں ملیں کہ مدینے میں اِسلام دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور دور دور سے قبیلے وہاں آ آکر اسلام قبول کر رہے ہیں اور مُسلمان کُھلے بندوں ارکانِ اسلام ادا کر رہے ہیں تو ان کا دِل جلنے لگا۔ یہ سُن کر ابوجہل نے مکّے کے سرداروں کی ایک مجلس بلائی اور صلاح و مشورے کے بعد طے ہوا کہ اب مُسلمانوں کا

مقابلہ تیر، تبر، ڈھال، تلوار سے کرنا چاہیئے اور اس غرض کے لئے مدینہ پہنچ کر اُن پر حملہ کرنا چاہیئے"۔ چنانچہ حضرت رسولؐ کی ہجرت کے دوسرے ہی سال ایک ہزار کافروں کی ایک فوج مکّے سے نکلی اور اپنے سرداروں ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان کے ساتھ ۱۷ رمضان کو میدانِ بدر میں جمع ہوگئی۔ سرورِ عالمؐ ۳۱۳ مجاہدین کے ساتھ میدانِ بدر پہنچے اور ایک ہی ہلّے میں کافروں کا منہ کالا کردیا۔ ابوجہل مارا گیا، ۷۰ قریشی قید کرلئے گئے۔ اس جنگ میں حضرت عثمانؓ شریک نہ ہوسکے اس کی وجہ تمہیں پچھلے خط میں بتادی گئی ہے۔ وہ حضرت رسولؐ کی فرمانبرداری ان کی ساتھداری میں کسی سے کم نہ تھے۔ وہ بھی بدری صحابہ میں گنے گئے۔

مکّے کے کافروں کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس لئے بدر کا بدلہ چکانے کے لئے شکست کی چوٹ کھائے ہوئے سردار دوسرے ہی سال ۳۰۰۰ سپاہیوں کے ساتھ احد کے میدان میں جمع ہوئے اور تیاری بھی خوب کر رکھی تھی۔ سرورِ عالمؐ بھی ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ جن میں حضرت عثمانؓ بھی تھے اُحد کے میدان میں صف آرا ہوئے۔ پہلے حملے میں کافروں کے قدم اُکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر

بھاگنے لگے۔ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے اور اُحد کی پہاڑی کا مورچہ کھلا چھوڑ دیا۔ دشمن موقعہ پاکر پہاڑی پر چڑھے اور مسلمان پر تیر برسانے لگے۔ اُن میں کھلبلی مچ گئی۔ اِتنے میں حضرت رسولؐ کی شہادت کی غلط خبر پھیل گئی تو مسلمان بے دِل ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں سچی خبر ملی کہ حضرت رسولؐ زندہ ہیں۔ تو سب اکٹھے ہوئے اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور ناکامی کو کامیابی میں بدل دیا۔ اللہ نے غلطی کرنے والے مسلمانوں کو عام معافی دے دی۔ اس جنگ میں حضرت عثمانؓ سرکارِ دو عالمؐ کے ساتھ ساتھ تھے۔

سنہ ۶ھ میں حضرت رسولؐ اللہ نے کعبہ کی زیارت کا اِرادہ فرمایا۔ چودہ سو ساتھیوں کو لے کر حضرتؐ حدیبیہ مقام تک پہنچے ہی تھے کہ مکّہ کے مشرکین نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور کہا "مسلمانوں کو مکّہ میں داخل ہونے نہ دیں گے"۔ حضرتؐ نے فرمایا "ہمارا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں ہے، ہم تو صرف کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ اُس کے بعد ہم لوٹ جائیں گے"۔ دلوں میں بدی بسی ہوئی تھی۔ بھلی بات کیسے بھلی لگتی، وہ بدنفس کیا مانتے۔ اِسی بات کو سمجھانے کیلئے حضرت عثمانؓ کو بھیجا گیا۔ اُن کی واپسی میں دیر ہوئی اور افواہ پھیل گئی

کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ حضرت رسولؐ نے جب سُنا تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور چودہ سو ساتھیوں سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کی بیعت لی۔ اِسے بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ تاریخِ اسلام میں اور اللہ کے پاس اِس بیعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اُس وقت ۱۴۰۰ صحابہؓ نے حضرت نبیؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وعدہ کیا "ہم عثمانؓ کے خون کا بدلہ لے کر رہیں گے"۔ حضرت عثمانؓ کا نام لے کر حضرت نبیؐ نے اپنا بایاں ہاتھ سیدھے ہاتھ میں دیا اور کہا "یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے"۔ اللہ تعالےٰ نے رسولؐ سے فرمایا "تمہارے ہاتھ پر میرا ہاتھ تھا" حضرت عثمانؓ کے نصیب کے کیا کہنے کہ اُن کے ہاتھ کو حضرت رسول اللہؐ نے اپنا ہاتھ کہا اور اُن تمام ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اِس بیعت کی پابجائی اُن تمام اصحابؓ پر لازم تھی جو بیعتِ رضوان میں شریک تھے اور حضرت رسول اللہؐ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران میں اُن کی شہادت کے دِن تک زندہ اور موجود تھے۔ ایسا نہیں کہ حضرت عثمانؓ مکّے والوں کے دار و گیر سے چھوٹ کر اپنے چودہ سو ساتھیوں میں آملتے ہی یہ بیعت کالعدم یا منسوخ ہو گئی ہو۔ بیعت رضوان اور مسلمانوں کے جوش و خروش

کی خبر پاکر مشرکین مکّہ نے حضرت عثمانؓ کو بخیر و خوبی واپس کر دیا تو معاہدہ کے مطابق مسلمان بغیر عمرہ کئے مدینہ لوٹ گئے۔

۸ھ ہجری میں ہوازن کی جنگ (جسے جنگ حُنین بھی کہتے ہیں) پیش آئی۔ اُسی سال خیبر کا معرکہ بھی سر ہوا۔ ان دونوں معرکوں میں حضرت عثمانؓ حضرت رسولؐ کے ساتھ ساتھ رہے۔

۹ھ ہجری میں خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ زمانہ مسلمانوں کی شدید تنگی کا زمانہ تھا مگر قیصر کے حملے کو روکنا بھی ضروری تھا۔ اِس جنگ میں حضرت عثمانؓ نے جس فراخ دلی کا ثبوت دیا اُسے مسلمان کبھی بھول نہیں سکتے۔ موقعہ کی نزاکت کو دیکھ کر حضرت نبیؐ نے صحابہؓ کو مالی اِمداد کی ترغیب دِلائی۔ سبھوں نے حسبِ حیثیت مالی اِمداد حضرت رسولؐ کی خدمت میں پیش کی مگر جب حضرت عثمانؓ کی باری آئی تو انھوں نے ایک تہائی فوج کی جنگی امداد اور دیگر ضرورتوں کی ذمہ داری قبول کرلی۔ یہاں تک کہ ایک ایک سپاہی کے لئے تسمہ بھی اپنے پیسے سے خرید کر تقسیم کیا۔ نہ صرف اِتنا ہی بلکہ ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے بھی فراہم کئے۔ اور ایک ہزار دینار نقد حضرتؐ کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت رسولؐ اس پیشکش پر بہت خوش ہوئے

اور ان کے لئے اللہ تعالےٰ سے دُعائے خیر مانگی۔

سنہ ۱۰ ہجری میں سرکارِ دو عالمؐ نے آخری حج ادا فرمایا۔ اُس وقت بھی حضرت رسولؐ کے ہمراہ حضرت عثمانؓ تھے۔

۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری روز دوشنبہ حضرت رسولؐ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضرت عثمانؓ پہلے شخص تھے جنھوں نے حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر حضرت عمرؓ کے ساتھ خلافت کی بیعت تھی۔ اُن کی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی خلافت کا وصیت نامہ اُنہی کے ہاتھ سے لکھوا دیا تھا۔ عجب اتفاق کی بات تھی کہ وصیت نامہ کی عبارت پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت صدیقؓ پر غشی طاری ہو گئی۔ صرف ہونے والے خلیفہ کا نام لکھانا باقی رہ گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے مصلحت وقت کا لحاظ کر کے اور اُمت کو لڑائی جھگڑوں سے بچانے کے لئے صدیقؓ کے منشا کی پیش بینی کر کے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا اور عبارت پوری کر دی۔ حضرت صدیقؓ کو جب ہوش آیا تو وصیت نامہ کی عبارت پڑھ کر سُنانے کا حکم ہوا۔ عبارت میں حضرت عمرؓ کا نام سُن کر فرمایا "تم نے میرے دِل کی بات لکھ دی، اللہ تمہیں جزاءِ خیر دے۔"

دس سال کی خلافت کے بعد حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ لوگوں کے اصرار پر حضرت عمرؓ نے خلافت کے لئے چھ نام لکھوا دیئے جن میں اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر کا نام قصداً چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ بھی بڑے پائے کے صحابی تھے، حضرت سرکارِ دو عالمؐ کے ہاتھ سے تربیت یافتہ تھے۔ خلافت کے لئے حضرات زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ، عبدالرحمٰن ابن عوف سے کسی طرح کمتر نہ تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ "عمرؓ نے جاتے جاتے اپنے بیٹے کو خلیفہ بننے کے لئے آگے بڑھایا" اور اس بات سے بھی ڈرتے تھے کہ آگے چل کر خلافت مورد ثی نہ ہو جائے۔ غرض وہ چھ نام یہ تھے۔

۱۔ علی ۲۔ عثمان ۳۔ زبیر ۴۔ طلحہ ۵۔ بن وقاص
۶۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔

حضرت عمرؓ کی تدفین سے فارغ ہو کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تمام مسلمانوں سے مشورے کے بعد مسجد نبوی میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت علیؓ نے بھی اقدام کیا تو سارے مجمع نے خوشی خوشی حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ تیسرے خلیفہ چن لیے گئے۔ وہ چوتھی محرم ۲۴ سنہ ہجری کا دن تھا۔

میرے اگلے خط میں تم پڑھو گے کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب میں

صحابہ نے کتنی احتیاط، دور بینی اور دانائی سے کام لیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مرحلے کو ذرا تفصیل سے بیان کروں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اُمّت کو پریشانی سے بچانے کے لئے بزرگ صحابہ نے کتنی خدا ترسی سے کام لیا۔ اُنکی خدا ترسی ہمارے لئے مشعل راہ بن سکتی ہے اور بننا چاہیئے۔

امین! تمہیں معلوم ہے کہ آج ہمارے ملک میں اِنتخابات کے معاملے میں کتنی دھاندلیاں کی جاتی ہیں۔ نام قوم کا لیا جاتا ہے اور کام غیر قومی ہونے لگتے ہیں۔ صرف شخصی مفاد پیش نظر رہتا ہے، قومی مفاد بالائے طاق ہو جاتا ہے اور مقصد کے حاصل کرنے کے لئے روا تا روا سب کچھ روا ہو جاتا ہے۔

معین اس زمانے کا تم کچھ نہ پوچھو
روا یا روا سب روا ہو گیا

فقط

تمہارا معین

# دسواں خط

پیارے امین! دُعا سلام۔

پچھلے خط میں تم نے پڑھا تھا کہ حضرت عثمانؓ ہر غزوے میں حضرت رسولؐ اللہ کے ساتھ ساتھ تھے۔ اِلّا جنگ بدر کے جس میں حضرت نبیؐ نے خود اُنھیں مدینے میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا تھا تاکہ حضرت بی بی رقیہؓ کی خاطر خواہ تیمار داری ہو سکے۔ (غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں حضرت رسولؐ بہ نفسِ نفیس شریک رہے ہوں) مسلمانوں کی ذرا سی غلطی کی وجہ سے جنگ اُحد بڑی مہنگی پڑی تھی مگر اللہ نے غازیوں کو اپنی مہربانی سے عام معافی دے دی۔ کیونکہ وہ ان کی اتفاقی غلطی تھی۔ ورنہ وہ بڑے خسارے میں پڑ جاتے۔

حضرت عثمانؓ نہ صرف غزوات میں حضرت نبیؐ کے ساتھ شریک رہے بلکہ گھر کی دولت بھی دل کھول کر فوجیوں پر لٹا دی۔ ہاتھ پاؤں کی قوت کے ساتھ ساتھ روپیہ پیسہ بھی غازیوں اور مدینے کے مسکینوں اور محتاجوں پر نچھاور کر دیا۔ وہ بڑے دریا دل تھے۔ انھوں نے [illegible]

کے ساتھ سچی محبّت کا ثبوت دیا جو سب کے بس کی بات نہ تھی۔

میرا جی چاہتا ہے کہ اِس خط میں حضرت عثمانؓ کے خلیفہ چنے جانے کے طریقہ کو ذرا تفصیل سے بیان کروں۔ اور بتاؤں کہ ہمارے بزرگوں نے ایسے کاموں میں کتنی احتیاط برتی اور حق اور صداقت کے معاملے میں وہ کتنے کھرے تھے۔ وہ جانتے اور مانتے تھے کہ یہاں اُن کے ہر قول و فعل کی جانچ وہاں ہونے والی ہے اور تم بھی یہی سمجھتے اور مانتے ہو کہ ایمان ہمیں یہی سِکھاتا ہے۔ اگر قیامت کے دِن حساب و کتاب کا ڈر نہ رہے تو انسان بے لگام ہو جائے۔

علّامہ ابن خلدوں کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ مسجد میں زخمی ہوئے تو انھوں نے ابو طلحہؓ انصاری اور مقداد بن الاسودؓ کو طلب کر کے حکم دیا کہ ۱۔ حضرت علیؓ ۲۔ حضرت عثمانؓ ۳۔ حضرت سعدؓ ۴۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ۵۔ حضرت زبیرؓ اور ۶۔ حضرت طلحہؓ کو ایک مکان میں ٹھہرائیں اور انھیں کسی سے مِلنے نہ دیں۔

۲۔ خلیفہ منتخب کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے

۳۔ اس مدت میں وہ جسے چاہیں اتفاق رائے سے خلیفہ چُن لیں۔